یا اللہ عزوجل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

جامعۃ المدینہ فیضانِ امیرِ معاویہ رضی اللہ عنہ (اے سی واہ)



اصول الشاشی

درجہ ثالثہ نوٹس



استاد محترم

محمد کامران اشرف المدنی

PDF

طالب علم

حافظ حمزہ صغیر

س اصول فقہ کتنے اور کون کونسے ہیں؟

ج اصول فقہ چار ہیں:

1) کتاب اللہ
2) سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم
3) اجماعِ اُمت
4) قیاس

"خاص و عام کا بیان"

س خاص اور عام کی تعریف کریں اور مثالیں دیں؟

ج* خاص وہ لفظ ہے جو وضع کیا جائے معنیٰ معلوم یا مسمیٰ معلوم کیلئے انفرادی طور پر۔

اسکی تین اقسام ہیں۔

1) تخصیصِ فرد — زَیْد
2) تخصیصِ نوع — رَجُل
3) تخصیصِ جنس — انسان

* عام وہ لفظ ہے جو افراد کی جماعت کو شامل ہو۔

عام کی دو طرح کا ہوتا ہے۔

1) لفظی عام — مُسْلِمُوْنَ اور مُشْرِکُوْنَ۔
2) معنوی عام — مَنْ اور مَا

س قرآن پاک کے خاص کا حکم کیا ہے اور اگر اسکے مقابلے میں خبرِ واحد یا قیاس آجائے تو کیا کیا جائے گا؟

ج قرآن پاک کے خاص پر قطعی طور پر عمل واجب ہوتا ہے اور اگر اسکے مقابلے میں خبر واحد یا قیاس آئے تو انکو اسطرح جمع کرنے کی کوشش کی جائے گی کہ دونوں پر عمل ہوسکے۔ اگر یہ ممکن ہو تو ٹھیک ہے ورنہ خبر واحد اور قیاس کو ترک کر دیا جائے گا۔

س اس ضمن میں صاحبِ کتاب نے جو پہلی مثال بیان کی ہے اسکا مختصر ذکر کریں؟

ج مثال:

يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ

ترجمہ: وہ عورتیں اپنے آپ کو روکے رکھیں تین قروء

اس مثال میں "ثلثۃ" لفظ خاص ہے۔ اور اس مثال میں یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ طلاق والی عورتیں تین قروء عدت گزاریں یہاں لفظ ثلثۃ پر عمل کرنا ضروری ہے قروء کے دو معنیٰ ہیں۔

1) طہارت 2) حیض

احناف کے نزدیک یہاں قروء سے "حیض" مراد ہے کیونکہ طہر مراد لینے کی صورت میں لفظ "ثلثۃ" پر عمل نہیں ہوسکتا اور اسکی وجہ یہ ہے کہ طلاق طہر کی حالت میں دی جائے گی اور اگر قروء سے طہر مراد لیں تو 3 طہر پورے نہیں ہوتے کم یا زیادہ ہو جاتے ہیں جبکہ امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ اس سے طہر مراد ہے۔

س اس مثال کے ضمن میں احناف اور شوافع کا کیا اختلاف ہے اور اس اختلاف کی بنیاد پر جو مسائل متفرع ہوتے ہیں انکا ذکر کیجیے؟

ج لفظ قروء سے احناف کے نزدیک "حیض" اور شوافع کے نزدیک "طہر" مراد ہے انکی دلیل یہ ہے کہ قرآن پاک میں قروء تانیث کی تمیز ہے جسکا مطلب یہ ہوا کہ

وہ مذکر ہے لہذا یہاں طُہر ہی مراد ہو سکتا ہے۔ کیونکہ لفظ طُہر مذکر ہے۔ اس اختلاف کی بنیاد پر تین حیض میں ہمارے نزدیک عورت ابھی عدت گزارے گی لہذا اس سے رجوع ہو سکتا ہے اُسے روکا جا سکتا ہے۔ سکونت اور نفقہ دیا جائے گا۔ خلع کر سکتی ہے۔ طلاق دی جا سکتی ہے۔ اسکی بہن سے نکاح نہیں ہو سکتا۔ اسکے علاوہ 4 عورتیں نہیں رکھ سکتا اور اسکے لیے میراث کے احکام ثابت ہوں گے۔

جبکہ امام شافعی کے نزدیک تیسرے حیض میں رجوع نہیں کر سکتا اسکے غیر کے ساتھ وہ نکاح کر سکتی ہے اُسے روکا نہیں جا سکتا۔ خاوند پر اسکی سکونت اور نفقہ لازم نہیں ہو سکتا۔ اسکی بہن سے نکاح کر سکتا ہے اسکے علاوہ چار عورتیں رکھ سکتا ہے اور اس عورت کے لیے خاوند کی وراثت ثابت نہیں ہوگی۔

س اس ضمن میں صاحبِ کتاب نے جو دوسری مثال بیان کی ہے اسکا مختصر ذکر کریں؟

ج مثال:-

قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِي أَزْوَاجِهِمْ

ترجمہ:- ہمیں معلوم ہے جو ہم نے فرض کر دیا انکے شوہروں پر انکی بیویوں کی طرف سے

اس مثال میں "فَرَضْنَا" کا لفظ خاص ہے۔ اور اس بات سے مثال میں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مہر کی کم از کم شرعی مقدار ہے جسکی طرف اشارہ لفظ فرضنا سے ہوتا ہے لہذا اگر نکاح کو عقدِ مالی سمجھتے ہوئے زوجین کی رائے کا اعتبار کیا جائے تو قرآن پاک کے خاص پر عمل نہیں ہوتا۔

س اس مثال کے ضمن میں احناف اور شوافع کا کیا اختلاف ہے اور اس اختلاف کی بنیاد پر جو مسائل متفرع ہوتے ہیں انکا ذکر کیجیے؟

ج احناف کا مسلک یہ ہے کہ مہر کی مقدار چونکہ شریعت نے مقرر کی ہے لہٰذا وہ زوجین کی رائے پر موقوف نہیں ہوگی۔
جبکہ امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ نکاح بھی عقد مالی ہے لہٰذا زوجین جتنے مہر پر متفق ہو جائیں وہی مقرر ہوگا۔ یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ یہ اختلاف کم از کم مہر کے بارے میں ہے۔ اپنے اس مسلک کی بنیاد پر امام شافعی نے یہ فرمایا ہے کہ چونکہ نکاح بھی ایک قسم کا سودا ہے لہذا نکاح میں مشغول ہونے سے نفلی عبادت میں مشغول ہونا افضل ہے اسی طرح نکاح کو طلاق کے ساتھ باطل کرنا جائز ہے چاہے تینوں اکٹھی دے یا الگ الگ۔ نیز انکے نزدیک تینوں طلاقیں اکٹھی دینا بھی جائز ہیں اور نکاح کا خلع کے ساتھ فسخ ہونا بھی جائز قرار دیا ہے

س عام کی کتنی اور کون کونسی قسمیں ہیں؟
ج عام کی دو قسمیں ہیں۔
1) عام مخصوص البعض 2) عام غیر مخصوص البعض

عام مخصوص البعض

یعنی جس سے بعض کو خاص کیا گیا ہو۔

عام غیر مخصوص البعض

یعنی جس سے کسی فرد کو مخصوص نہیں کیا گیا ہو۔

س عام غیر مخصوص البعض کا حکم اور مثال لکھیں؟
ج یہ عام لزوم عمل کے اعتبار سے خاص کی طرح ہوتا ہے۔ مثلاً قرآن پاک میں ہے

اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا

یہاں کلمہ "ما" عام ہے۔ جسکا مطلب یہ ہے کہ چور سے جو کچھ سرزد ہوگا اسکی سزا ہاتھ کاٹنا ہے لہذا اگر کسی چور سے چوری کا سامان ہلاک ہو جائے پھر اسکا ہاتھ کاٹا جائے تو مال کی ضمانت نہیں ہوگی کیونکہ ہاتھ کا کاٹنا اسکے تمام عمل کی سزا ہے اور ضمان کی صورت میں یہ تمام عمل کی سزا نہیں بنتی بلکہ دونوں سزاؤں کا مجموعہ سزا قرار پائے گا اور یہ قرآن پاک کے عام کے خلاف ہے۔

دلیل

کلمہ ما کے عام ہونے پر دلیل یہ ہے کہ امام محمد نے فرمایا جب کوئی آدمی اپنی لونڈی سے کہے "اِنْ کَانَ مَا فِی بَطْنِکِ غُلَامًا فَاَنْتِ حُرَّۃٌ" اب اس لونڈی کے ہاں لڑکا اور لڑکی جڑواں پیدا ہوئے تو وہ آزاد نہیں ہوگی کیونکہ لفظ ما تقاضا ہے کہ اسکا پورا حمل صرف لڑکے پر مشتمل ہو جبکہ یہاں آدھا حمل لڑکے پر مشتمل ہے اس سے معلوم ہوا کہ لفظاً عمومیت کیلئے آتا ہے۔ اگر کوئی کہے کہ ما کی عمومیت پر ایک فقیہہ کے قول سے استدلال کیسے صحیح ہے؟ اسکا جواب یہ ہے کہ امام محمد جس طرح آئمہ فقہاء میں سے ہیں اسی طرح آئمہ لغت میں سے بھی ہیں۔

یہاں ہم نے انکے امام لغت ہونے کا اعتبار کیا ہے ما کی عمومیت پر قرآن پاک سے ایک اور مثال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ" جسکا مطلب یہ ہے کہ قرآن پاک سے جہاں سے بھی آسان معلوم ہو نماز میں پڑھا جا سکتا ہے اور عمومیت کا تقاضا ہے کہ فاتحہ کی قراءت پر جواز موقوف نہیں۔ اور حدیث شریف میں آتا ہے کہ فاتحۃ الکتاب کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ اب ہم اسطرح عمل کریں گے کہ قرآن پاک کے عام پر بھی عمل ہو جائے اور حدیث شریف پر بھی لہذا مطلق قرأت حکم کتاب سے فرض قرار پائے گی اور فاتحہ کا پڑھنا حدیث کی رو سے

واجب ہوگا۔

ایک اور مثال قرآن پاک کی یہ آیت ہے "وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ" یہاں لفظِ ما کا تقاضا ہے کہ جس ذبیحہ پر جان بوجھ کر بسم اللہ نہ پڑھی جائے اسکا کھانا جائز نہیں اسکے مقابلے میں ایک حدیث ہے حضور علیہ السلام سے اس چیز کے بارے میں پوچھا گیا جس پر ذبح کے وقت جان بوجھ کر بسم اللہ چھوڑ دی گئی ہو آپ نے فرمایا کھاؤ کیونکہ ہر مسلمان کے دل میں اللہ تعالیٰ کا نام ہوتا ہے۔

س عام مخصوص البعض کا کیا حکم ہے؟ نیز اس میں کس چیز کے ساتھ تخصیص ہو سکتی ہے؟

ج جب عام کے بعض افراد کو مخصوص کر دیا جائے تو باقی میں تخصیص کا احتمال بھی ہوتا ہے لیکن اسکے باوجود اس پر عمل کرنا واجب ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ تخصیص دلیل قطعی کے ساتھ ہوتی ہے۔ اسکے بعد باقی میں خبر واحد یا قیاس کے ساتھ تخصیص کر سکتے ہیں یہاں تک کہ اسکے تین افراد باقی رہ جائیں۔ اسکے بعد اس میں تخصیص کرنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ تخصیص کی صورت میں وہ منسوخ شمار ہوگا حالانکہ خبر واحد یا قیاس کے ساتھ نسخ جائز نہیں۔ نسخ کیلئے دلیل قطعی کی ضرورت ہے۔

س خبر واحد یا قیاس کے ساتھ عام کی تخصیص کیوں جائز ہے؟

ج یہ اسلیے جائز ہے کہ جب پہلی بار مخصص دلیل نے عام کے تمام افراد سے بعض افراد کو نکالا تو اسکی دو صورتیں ہیں۔ وہ بعض افراد معلوم ہوں گے یا مجہول مجہول ہونے کی صورت میں ہر فردِ معین میں تخصیص کا احتمال ہوگا۔ لہٰذا باقی افراد کے بارے میں جائز ہے کہ وہ حکمِ عام کے تحت رہیں یا دلیلِ مخصص کے تحت داخل ہوں اس بنیاد پر ہر فردِ معین میں دونوں طرفیں برابر ہوں گی

اب جب کوئی دلیلِ شرعی اس بات پر قائم ہوگئی کہ یہ فرد اُن افراد میں سے ہے جو دلیل خصوص کے تحت داخل ہیں تو اسکی تخصیص والی جانب راجح ہو جائے گی اور اگر مخصص نے تمام افراد سے بعض معلوم افراد کو نکالا ہے تو جائز ہے کہ وہ علت جو ان تمام افراد میں پائی جاتی ہے باقی افراد میں سے کسی فردِ معین میں بھی پائی جائے۔ اب جس وقت اس فردِ معین میں اس علت کے پائے جانے پر کوئی دلیلِ شرعی قائم ہوگئی تو تخصیص کی جانب راجح ہو جائے گی اور اس پر عمل کیا جائے گا اور یہی احتمال باقی افراد میں بھی ہوگا۔ لہٰذا احتمال کی وجہ سے دلیل ظنی بھی کفایت کرتی ہے۔

"مطلق اور مقید کا بیان"

س مطلق اور مقید کی تعریف کریں اور اُنکا حکم بیان کریں؟

ج مطلق وہ ہے جس میں محض ذات کا اعتبار کیا جائے کوئی صفت ملحوظ نہ ہو جبکہ مقید میں ذات کے ساتھ صفت کا بھی لحاظ رکھا جاتا ہے۔

"حکم"

قرآن پاک کے مطلق پر جب تک عمل ممکن ہو خبرِ واحد اور قیاس کے ساتھ اس پر زیادتی جائز نہیں۔

س مطلق اور مقید کی مثالیں تحریر کریں؟

ج اس کی مثال قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے،

* فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ

ترجمہ:- تو اپنے چہرے دھولو۔

یہاں مطلق دھونے کا حکم ہے۔

"امام شافعی کا مؤقف"

وضو میں نیت اور ترتیب کو فرض قرار دیا اور وہ اس حدیث پاک سے استدلال کرتے ہیں۔ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ سے نیت ثابت ہو رہی ہے کہ اعمال کا مدار نیتوں پر ہے اور وضو بھی ایک عمل ہے نیز وضو ایک عبادت ہے اور عبادت بغیر نیت کے صحیح نہیں ہوتی اور ترتیب کے ثبوت کیلئے امام شافعی حدیث پیش کرتے ہیں۔ ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ کسی آدمی کی نماز کو قبول نہیں فرماتا یہاں تک کہ وہ پاکی کو اسکی جگہ میں رکھے پس پہلے اپنا چہرہ دھوئے پھر ہاتھ دھوئے اس حدیث سے ترتیب ثابت ہو رہی ہے کہ ثم ترتیب کیلئے آتا ہے معلوم ہوا کہ پہلے منہ دھونا پھر دونوں ہاتھ دھونا پھر مسح کرنا اور پھر دونوں پیر دھونے ضروری ہوں گے۔

"امام مالک کا مؤقف"

امام مالک وضو میں پے در پے ہونے کو ضروری قرار دیتے ہیں اور حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ ترجمہ:۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو وضو اور نماز دونوں کے لوٹانے کا حکم فرمایا جسکے پیر میں کچھ چمک تھی۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم پے در پے وضو فرمانے پر مواظبت فرماتے تھے جو دلیل وجوب ہے اور داؤد ظاہری وضو میں بسم اللہ کو ضروری اور شرط قرار دیتے ہیں اور حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔

لَا وُضُوءَ لِمَنْ لَمْ یَذْکُرِ اسْمَ اللّٰہِ عَلَیْہِ۔ ترجمہ:۔ جس نے وضو کیا اور اللہ کا نام نہیں لیا تو اسکا وضو نہیں ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہ کا مؤقف

امام اعظم ابو حنیفہ فرماتے ہیں اس آیت میں مطلقاً دھونے غسل کا حکم ہے تو حدیث سے اس پر نیت، ترتیب، تسلسل کی شرط زیادہ نہ کی جائے گی۔ حدیث پاک پر ایسے طریقے سے عمل کیا جائے گا کہ اسکے ساتھ قرآن پاک کا حکم نہ بدلے۔
پس کہا جائیگا کہ قرآن کے حکم سے مطلقاً دھونا فرض ہے اور حدیثِ پاک کے حکم سے نیت کرنا سنت ہے۔

+ اَلزَّانِیَۃُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا کُلَّ وَاحِدٍ مِّنْھُمَا مِائَۃَ جَلْدَۃً

ترجمہ: جو بدکاری کرنے والی عورت اور بدکاری کرنے والا مرد ہو تو ان میں ہر ایک کو سو سو کوڑے لگاؤ۔

یہاں مطلقاً سو کوڑے مارنے کا حکم ہے۔

امام شافعی کا مؤقف

امام شافعی کے نزدیک سو کوڑے مارنے کے بعد انکو ایک سال کیلئے شہر بدر بھی کیا جائے گا وہ اس حدیثِ پاک سے استدلال کرتے ہیں۔ اَلْبِکْرُ بِالْبِکْرِ مِائَۃٌ وَتَغْرِیْبُ عَامٍ (غیر شادی شدہ مرد و عورت کی بدکاری کی سزا سو کوڑے مارنا اور ایک سال کیلئے جلا وطن کرنا ہے۔

امام اعظم کا مؤقف

امام اعظم فرماتے ہیں کہ قرآن پاک میں مطلقاً سو کوڑے مارنے کا حکم ہے تو حدیث کی وجہ سے سال بھر کی جلا وطنی کی زیادتی نہیں کی جائے گی۔ حدیث پر اس طور سے عمل کیا جائے گا کہ جس سے کتاب اللہ یعنی قرآن پاک کے حکم کی

وجہ سے حدِ شرعی ہوگا اور ایک سال کی جلا وطنی (شہر بدر کرنا) حدیث کے حکم کی وجہ سے سیاستاً و مصلحتاً مشروع ہوگی۔

* وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ

ترجمہ:- اور اس قدیم گھر کا طواف کریں۔

یہاں مطلقاً طواف کا حکم ہے۔

امام شافعی کا مؤقف

امام شافعی کے نزدیک طواف کے ساتھ وضو کرنا ضروری ہے وہ حدیث پاک اَلطَّوافُ بِالبیتِ صلوٰۃٌ (بیت اللہ کا طواف بمنزلہ نماز کے ہے) سے استدلال کرتے ہیں کہ اس حدیث میں طواف کو نماز فرمایا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ نماز میں وضو ضروری ہے لہذا یہ حدیث اس بات کی مقتضی ہے کہ طواف میں وضو ضروری ہے جسطرح نماز میں وضو ضروری ہے۔

امام اعظم کا مؤقف

امام اعظم فرماتے ہیں قرآن میں مطلقاً طواف کا حکم ہے۔ حدیثِ پاک سے طواف میں وضو کی قید بڑھا کر قرآن پاک پر زیادتی نہیں کی جاسکتی۔

لہٰذا مطلق طواف فرض ہے باوضو ہو یا بے وضو قرآن پاک کے مطابق۔ اور حدیث پاک کے حکم کی وجہ سے وضو واجب ہوگا چنانچہ واجب وضو کے ترک سے لازم آنے والا نقصان کی تلافی دم دیکر کی جائے گی۔

* وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ

ترجمہ:- رکوع اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔

یہاں مطلقاً رکوع کا حکم ہے۔

امام شافعی کا امام یوسف کا مؤقف

امام شافعی اور امام ابو یوسف تعدیل ارکان کو فرض قرار دیتے ہیں اور حدیث پاک سے استدلال کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دیہاتی (خلاد بن رافع انصاری) سے فرمایا تھا کہ جس نے مسجد نبوی میں داخل ہو کر جلدی جلدی نماز پڑھ کر ختم کر دی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ جاؤ دوبارہ نماز پڑھو تم نے نماز نہیں پڑھی وہ صحابی گئے اور نماز پڑھ کر پھر حاضر ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر یہی فرمایا۔ گویا یہ الفاظ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یکے بعد دیگرے 3 مرتبہ ارشاد فرمائے پھر اس دیہاتی نے کہا کہ اسکے علاوہ کی طاقت نہیں دکھتا آپ مجھ کو سکھائیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تو نماز کا ارادہ کرے تو پاکی حاصل کر جیسا کہ اللہ نے حکم دیا پھر قبلہ کی طرف منہ کر کے اللہ اکبر کہہ اور قرآن سے جو یاد ہو اسکو پڑھ پھر رکوع کر یہاں تک کہ ہر عضو مطمئن ہو جائے پھر رکوع سے سر اٹھا یہاں تک کہ تو سیدھا کھڑا ہو جائے۔

اس حدیث سے تعدیل ارکان کی فرضیت معلوم ہو رہی ہے۔

امام اعظم اور امام محمد کا مؤقف

امام اعظم اور امام محمد فرماتے ہیں قرآن پاک کی آیت میں مطلق رکوع کا حکم ہے اور رکوع صرف جھکنے کا نام ہے اور تعدیل رکوع دوام علی الرکوع کا نام ہے۔ لہٰذا حدیث کی وجہ سے اس پر تعدیل ارکان کی شرط کی زیادتی نہیں کی جائے گی۔

حدیث پر اسطرح عمل کیا جائے گا جس سے قرآن پاک کا حکم تبدیل نہ ہو چنانچہ مطلق رکوع

قرآن پاک کے حکم کی وجہ سے فرض ہوگا اور تعدیلِ ارکان حدیث کے حکم کی وجہ سے واجب ہوگی۔

س کفارۂ ظہار جب کھانا کھلانے کی صورت میں ہو تو کھانا کھلانے کے دوران کفارہ ادا کرنے والا اپنی بیوی سے جماع کر سکتا ہے یا نہیں اسی بحث کی روشنی میں لکھیں؟

ج چونکہ مطلق اپنے اطلاق پر جاری ہوتا ہے لہذا قرآن پاک کے مطلق میں کوئی قید نہیں لگائی جا سکتی۔ اس بنیاد پر جب ظہار کے کفارہ کے بارے میں قرآنی آیت کو دیکھا جاتا ہے تو وہاں عدمِ جماع کی قید نہیں ہے اور اگر ہم شرط رکھیں تو قرآن پاک کے مطلق کو مقید کرنا ہوگا اور یہ بات جائز نہیں ہے۔ احناف کے علاوہ باقی 3 مذاہب یعنی امام مالک، امام شافعی، امام احمد وغیرہ کے کفارے پر قیاس کرتے ہوئے کھانا کھلانے کے دوران جماع کرنے کی صورت میں نئے سرے سے 60 مسکینوں کو کھانا کھلانا ضروری قرار دیتے ہیں حالانکہ یہ مطلق کو مقید کرنا ہے۔

س سر کے مسح کے سلسلے میں احناف کا اس قاعدے پر عمل نہیں کیونکہ قرآن پاک میں مطلق بعض کا مسح مذکور ہے اور تم نے حدیث کی بنیاد پر چوتھائی سر کے مسح کی قید لگائی ہے اور یہ مطلق کو مقید کرنا ہے؟

ج امام شافعی کے اعتراض کا جواب:-

یہ اعتراض اس بنیاد پر ہے کہ مسح کے سلسلے میں بعض کو مطلق سمجھا گیا حالانکہ یہ مطلق نہیں مجمل ہے۔ کیونکہ مطلق کا حکم یہ ہے کہ اسکے جس فرد کو بھی عمل میں لایا جائے وہ مامور بہ کا عمل میں لانا شمار ہوتا ہے جب کہ یہاں کسی بعض پر عمل کرنے والا پورے مامور بہ پر عمل کرنے والا شمار نہیں ہوتا۔ کیونکہ اگر وہ نصف پر یا دو تہائی پر مسح کرتا ہے تو یہ سارے کا سارا جس

پر مسح کیا گیا ہے فرض نہیں ہوگا بلکہ اس میں سے بعض ما مور بہ ہوگا تو یہ مطلق اور مجمل میں فرق ہے۔

س دوسرے خاوند سے نکاح کرنے کی صورت میں حرمتِ مغلیظہ ختم ہو جاتی ہے اور یہ بات قرآن پاک کے مطلق سے ثابت ہے جبکہ احناف رفاعہ کی بیوی والی حدیث کے ساتھ اس میں دخول کی قید لگاتے ہیں اور یہ مطلق کو مقید کرنا ہے

ج امام شافعی کے اعتراض کا جواب ا۔

نکاح کے سلسلے میں دخول کی قید حدیث سے نہیں لگائی گئی بلکہ یہ تو خود قرآنِ پاک سے ثابت ہے اور اسکی وجہ یہ ہے کہ عقدِ نکاح لفظِ زوج سے ثابت ہوگا۔

اور لفظِ نکاح (حَتّٰی تَنْکِحَ) سے وطی مراد ہوگی گویا کہ وطی خود قرآنی نص سے ثابت ہے۔ لہذا یہ اعتراض صحیح نہیں ہے یہ بات بعض احناف کے نزدیک ہے جبکہ جمہور احناف کا مذہب یہ ہے کہ دخول کی قید اگرچہ حدیث سے ثابت ہے لیکن وہ حدیث مشہور ہے۔ لہذا یہ بات لازم نہیں آتی کہ خبر واحد کے ساتھ کتاب کے مطلق کو مقید کیا گیا ہے اور حدیث مشہور سے کتاب اللہ پر زیادتی جائز ہے۔

"مشترک، موؤل کا بیان"

س مشترک کی تعریف، حکم اور مثالیں بیان کریں؟

ج مشترک وہ لفظ ہے جو ایسے دو یا دو سے زیادہ معنوں کیلئے وضع کیا گیا ہو جنکی حقیقتیں مختلف ہوں۔ مثلاً لفظِ جَارِیَۃ لونڈی اور کشتی دونوں معنوں میں آتا ہے لفظِ مشتری عقد بیع کو قبول کرنے والے اور آسمان کے ستارے کو کہتے ہیں۔ اسطرح

"بائن" جدائی اور بیان کے معنیٰ کا احتمال رکھتا ہے۔

حکم

مشترک کا حکم یہ ہے کہ جب مختلف معانی میں سے کسی ایک معنیٰ کو مراد لیا جائے تو باقی معنوں کا اعتبار ساقط ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ علماء کرام نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ قرآن پاک میں مذکور لفظ "قروء" سے یا حیض مراد ہوگا جیسا کہ احناف کا مسلک ہے یا طُہر مراد ہوگا جو امام شافعی کا مذہب ہے۔
بیک وقت دونوں مراد نہیں ہو سکتے۔

مثال

* اسی طرح امام محمد فرماتے ہیں کہ جب کسی آدمی نے فلاں کے بیٹے کے موالی کیلئے وصیت کی اور ایک دو قسم کے موالی تھے اعلیٰ اور اسفل۔ تو دونوں فریقوں کے حق میں وصیت باطل ہو جائے گی کیونکہ لفظ موالی، اعلیٰ اور ادنیٰ دونوں میں مشترک ہے لہذا نہ تو دونوں جمع ہو سکتے ہیں اور نہ ہی کسی ایک کو یہاں ترجیح دی گئی ہے۔ اسلیے اس وصیت پر عمل کرنا ناممکن ہے* اسی طرح کسی آدمی نے اگر اپنی بیوی سے کہا۔ تو مجھ پر میری ماں کی طرح ہے۔ تو وہ نیت کے بغیر ظہار کرنے والا نہیں ہوگا کیونکہ یہ جملہ کرامت اور حرمت کے درمیان مشترک ہے لہذا حرمت کی جہت کو نیت کے بغیر ترجیح حاصل نہیں ہوگی۔

* مشترک کے اسی ضابطے کے مطابق شکار کی جزا کا مسئلہ حل کیا جاتا ہے مثلاً کسی محرم نے شکار کیا تو قرآن پاک میں اسکی سزا یہ بیان کی گئی ہے۔ فَجَزَاءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ۔ (پس جزا اسکی مثل جس نے قتل کیا جانوروں میں سے) یہاں لفظ مثل، مثلِ صوری اور مثلِ معنوی میں مشترک ہے۔ لہذا جب مثلِ معنوی مراد لے لیا گیا

تو مثل صوری مراد نہیں لے سکتے۔ امام شافعی امام مالک و امام احمد یہاں مثل صوری مراد لیتے ہیں۔ امام اعظم کے نزدیک یہاں مثل معنوی مراد ہے۔ چنانچہ اسی آیت کے تحت کبوتر اور چڑیا وغیرہ کے شکار پر بالاتفاق مثل معنوی کے ساتھ جزا ہوگی تو اسی بنیاد پر ہم کہتے ہیں اگر کوئی جانور شکار کیا تو وہاں بھی مثل معنوی کے ساتھ جزا ہوگی۔ اور اس جانور کی مثل صوری واجب نہیں ہوگی۔ کیونکہ ایسا نہیں ہوسکتا کہ ایک جگہ مثل معنوی مراد لیں اور دوسری جگہ مثل صوری مراد ہو۔

س موڈل کی تعریف و حکم اور مثالیں تحریر کریں؟

ج جب غالب رائے کے ساتھ مشترک کے کسی معنیٰ کو ترجیح حاصل ہوجائے تو اسکو موڈل کہتے ہیں

حکم

اسکا حکم یہ ہے کہ اس پر عمل واجب ہوتا ہے اگرچہ غلطی کا احتمال باقی رہتا ہے مثلاً جب کسی آدمی نے سودا کرتے ہوئے مطلق ثمن کا ذکر کیا تو بطور تاویل شہر کی غالب نقدی مراد ہوگی اور اگر شہر میں کئی مختلف سکے جاری ہوں جنکی مالیت میں بھی اختلاف ہو تو مبیع فاسد ہوجائے گی کیونکہ یہاں کسی ایک کو ترجیح حاصل نہیں ہوسکتی اور انکو جمع کرنا بھی ناممکن ہے۔ قروء سے حیض مراد لینا حتیٰ تنکح میں نکاح سے وطی مراد لینا۔ طلاق کی گفتگو کے درمیان کنایہ الفاظ استعمال کیے جائیں تو ان سے طلاق مراد لینا موڈل ہی کی صورتیں ہیں۔

س "اَلدَّیْنُ السَّائِمُ مِنَ الزَّکٰوۃِ" کا کیا مطلب ہے مثال کے ساتھ واضح کریں؟

ج اسکا مطلب یہ ہے کہ جب کسی آدمی کے پاس زکوٰۃ کے کئی نصاب ہوں مثلاً نقدی سامانِ تجارت اور جانور اور اس پر اتنا قرض ہو جو زکوٰۃ کی ادائیگی میں رکاوٹ

بنتا ہو تو سب سے پہلے اس قرض کا اندازہ اس نصاب سے لگائیں گے جسکی ادائیگی آسان ہو۔

اب اس صورت میں جب ایک نصاب کا قرض کی ادائیگی کیلئے تعین ہوگیا تو دوسری کا اعتبار ساقط ہو جائے گا۔ مثلاً ایک شخص نے کسی عورت سے نکاح کرتے ہوئے کہا کہ میں تجھے مہر میں زکوۃ کا ایک نصاب دوں گا۔ اب اس کے پاس ایک نصاب بکریوں سے ہے اور ایک نصاب درہموں سے۔ تو مہر جو اسکے ذمے دین ہے اُسے دراہم کی طرف پھیرا جائے گا کیونکہ ادائیگی میں یہ آسان ہے حتیٰ کہ اگر ان دونوں نصابوں پر ایک سال پورا ہو جائے تو بکریوں کے نصاب میں زکوۃ واجب ہوگی۔ دراہم کے نصاب میں نہیں کیونکہ یہ اس کے ذمے دین ہے جو کہ زکوۃ سے مانع ہے۔

س مفسر کسے کہتے ہیں اور اسکا حکم کیا ہے مثال بھی لکھیں؟

ج اگر مشترک کا کوئی معنیٰ متکلم کے بیان سے ترجیح پائے تو وہ "مفسر" کہلاتا ہے

حکم

اسکا حکم یہ ہے کہ اس پر یقین کے ساتھ عمل واجب ہوتا ہے مثلاً جب کوئی آدمی کہتا ہے "لِفُلَانٍ عَلَيَّ عَشَرَةُ دَرَاهِمَ مِنْ نَقْدِ بُخَارَا" (فلاں کے مجھ پر بخارا کی نقدی سے دس درہم ہیں)۔ تو اسکے الفاظ نقدِ بخارا دراہم کی تفسیر ہوگی اور اگر یہ کلمات نہ ہوتے تو تاویل کے طور پر شہر کا غالب سکہ مراد ہوتا اب مفسر کو ترجیح حاصل ہوگئی۔ لہذا شہر کا سکہ واجب نہیں ہوگا۔

"حقیقت و مجاز کا بیان"

س حقیقت اور مجاز کی تعریف کریں نیز یہ بتائیں کہ ایک ہی لفظ سے ایک ہی وقت میں حقیقی اور مجازی معنیٰ مُراد ہو سکتا ہے یا نہیں؟

ج ہر وہ لفظ جسے لغت کے واضح نے کسی چیز کے مقابلے میں وضع کیا ہو تو وہ لفظ اس چیز کیلئے حقیقت قرار پائے گا اور اگر اس کے غیر میں استعمال کیا جائے تو مجاز ہوگا۔ مثلاً لفظِ اسد ایک مخصوص جانور کیلئے وضع کیا گیا ہے لہٰذا اگر اسے کسی انسان پر بولیں تو یہ مجازی استعمال ہوگا۔

حقیقت اور مجاز ایک ہی لفظ سے ایک ہی حالت میں اکٹھے مراد نہیں ہو سکتے۔

س اس ضابطے کے مطابق شرعی مسائل سے کچھ مثالیں لکھیں؟

ج * حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک درہم کو دو درہموں کے بدلے اور ایک صاع کو دو صاع کے بدلے نہ بیچو۔ لفظِ صاع کے دو معنیٰ ہیں۔ ایک حقیقی اور دوسرا مجازی۔ حقیقی معنیٰ کے اعتبار سے صاع لکڑی کا پیمانہ ہے جس غلّہ وغیرہ ناپا جاتا ہے اور مجازی معنیٰ کے اعتبار سے اس پیمانے میں جو غلّہ آتا ہے اسے صاع کہتے ہیں۔ چونکہ اجماعی طور پر یہاں غلّہ مراد لیا گیا لہٰذا ایک پیمانے کو دو کے بدلے بیچنا جائز ہوگا۔ کیونکہ جب مجازی معنیٰ مراد لے لیا گیا ہے تو اب حقیقی معنیٰ مراد نہیں لے سکتے۔

* اسی طرح قرآن کریم کے ارشاد "اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ" سے جب مجازی معنیٰ جماع مراد لے لیا گیا تو حقیقی معنیٰ یعنی ہاتھ لگانا مراد نہیں ہوگا۔ لہٰذا عورت کو ہاتھ لگانے سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔

امام شافعی کے نزدیک اگر ہاتھ لگایا تو وضو اور غسل فرض ہوگا۔

امام اعظم کے نزدیک اگر جماع مراد ہوگا۔

* امام محمد فرماتے ہیں جب کسی شخص نے اپنے آزاد کردہ غلاموں کیلئے وصیت کی اور انکے بھی آگے آزاد کردہ غلام ہیں۔ تو یہ وصیت اپنے غلاموں کے لیے ہوگی کیونکہ یہ حقیقی موالی ہیں۔ دوسروں پر موالی کا اطلاق مجازاً ہوتا ہے۔ اہل حرب اگر اپنے آباء کیلئے امن طلب کریں تو اس میں دادیاں دنانیاں شامل نہیں ہوں گی کیونکہ باپ اور ماں کیلئے لفظ اب اور ام حقیقی طور پر استعمال ہوتا ہے۔ جبکہ دادا، دادی اور نانا، نانی کیلئے یہ الفاظ مجازاً استعمال ہوتے ہیں اور حقیقت اور مجاز کا اجتماع جائز نہیں ہے اور بلاوجہ حقیقت کو چھوڑا بھی نہیں جاسکتا لہٰذا ماں اور باپ مراد ہوں گے ان سے اوپر والے نہیں اسی بنیاد پر کہ حقیقت اور مجاز جمع نہیں ہوسکتے۔
احناف کے نزدیک جب کسی آدمی نے کسی قبیلے کی بالکرہ عورتوں کے لیے وصیت کی تو وہ عورتیں اس وصیت میں داخل نہیں ہوں گی جن کی بکارت زنا کی وجہ سے زائل ہوئی۔ اسلیے کہ بالکرہ حقیقت میں اس عورت کو کہا جاتا ہے جس سے جماع نہ ہوا ہو یہ حقیقی معنیٰ کے اعتبار سے ہے۔ اب یہاں وصیت میں اگر زانیہ غیر شادی شدہ بھی داخل ہو تو یہ حقیقت اور مجاز کا اجتماع ہوگا اور یہ جائز نہیں۔

* اگر کسی شخص نے کسی کے بیٹوں کیلئے وصیت کی اور اسکے پوتے بھی ہیں تو یہ وصیت صرف بیٹوں کیلئے ہوگی۔ پوتوں کیلئے نہیں ہوگی۔ کیونکہ "بنو" کا لفظ بیٹوں پر حقیقتاً اور پوتوں پر مجازاً استعمال ہوتا ہے۔

* اسی طرح اگر ایک آدمی نے قسم کھائی کہ وہ فلاں عورت سے نکاح نہیں کرے گا حالانکہ وہ عورت اجنبیہ ہے تو اس صورت میں عقد مراد ہوگا جماع مراد نہیں ہوگا لہٰذا اگر وہ اس سے زنا کا ارتکاب کرے تو حانث نہیں ہوگا (البتہ گنہگار ہوگا)۔

"اعتراض"

یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ حقیقت اور مجاز ایک ہی حالت میں اکھٹے نہیں ہو سکتے کیونکہ بعض مثالیں ایسی ہیں جنسے حقیقت و مجاز کا اجتماع ثابت ہوتا ہے۔

۱) مثلاً اگر کسی آدمی نے قسم کھائی کہ وہ فلاں کے گھر میں قدم نہیں رکھے گا تو اب ننگے پاؤں یا جوتا پہن کر یا سوار ہو کر جسطرح بھی داخل ہو حانث ہو جائے گا۔

۲) اسی طرح اگر قسم کھائی کہ وہ فلاں کے گھر میں نہیں رہے گا تو وہ گھر چاہے اس فلاں کی ملک ہو یا کرائے پر لیا ہو یا اُدھار پر حاصل کیا گیا ہو ہر صورت میں اس مکان میں سکونت اختیار کرنے سے حانث ہو جائے گا۔

۳) اسی طرح اگر کسی آدمی نے کہا کہ جس دن فلاں آدمی آئے گا اس دن میرا غلام آزاد ہوگا تو اب وہ رات کو آئے یا دن کو غلام آزاد ہو جائے گا ان تمام صورتوں میں حقیقت اور مجاز جمع ہو رہے ہیں۔

"جواب"

درحقیقت معترض کو مثالیں سمجھنے میں غلطی لگی ہے یہاں حقیقت اور مجاز جمع نہیں ہو رہے بلکہ یہ عموم مجاز ہے۔

۱) پہلی صورت میں قدم رکھنے سے مراد عرفِ عام میں "داخل ہونا" ہے۔ اب وہ ننگے پاؤں داخل ہو جوتا پہن کر، پیدل یا سوار ہو کر تمام صورتیں مجازی بنتی ہیں۔

۲) اسی طریقے سے دوسری مثال میں فلاں کے گھر سے مراد وہ مکان ہے جس میں اسکی رہائش ہو۔ چاہے وہ اسکی ملکیت ہو یا کسی بھی طرح اسکو حاصل ہوا ہو۔ یہ عموم مجاز ہے۔

۳) تیسری صورت میں لفظِ یوم سے مطلق وقت مراد ہے کیونکہ یوم کی اضافت جب غیر ممتد فعل کی طرف ہو تو اس سے مطلق وقت مراد ہوتا ہے اور مطلق وقت میں

رات اور دن دونوں وقت شامل ہیں۔ گویا ان تمام صورتوں میں حانث ہونا
عموم مجاز کے طور پر ہے حقیقت اور مجاز کے اجتماع سے نہیں

س حقیقت کی کتنی قسمیں ہیں اور ان کی امثلہ اور مثالیں لکھیں؟

ج حقیقت کی تین قسمیں ہیں۔

۱) متعذرہ ۲) مہجورہ ۳) مستعملہ

متعذرہ کی مثال

* کسی آدمی نے قسم کھائی کہ وہ اس درخت یا اس ہنڈیا سے نہیں کھائے گا چونکہ درخت اور ہنڈیا کا کھانا مشکل ہے اسلیے حقیقی معنیٰ پر عمل متعذر (مشکل) ہوگیا لہٰذا اس سے درخت کا پھل اور وہ چیز جو ہنڈیا میں پکائی جاتی ہے مراد ہوگی یہ بطور مجاز ہے۔ لہٰذا اگر کسی آدمی نے مشقت برداشت کرتے ہوئے درخت یا ہنڈیا کے عین سے کچھ کھایا تو وہ حانث نہیں ہوگا۔

* اسی طرح اگر کسی آدمی نے قسم کھائی کہ وہ اس کنوئیں سے نہیں پیئے گا تو حقیقی معنیٰ یعنی منہ لگا کر پینا مشکل ہے لہذا حقیقت متعذرہ ہونے کی وجہ سے چھوڑ دی گئی اور مجاز پر عمل ہوگا۔ یعنی چلو سے پینا مراد ہوگا۔ اسلیے اگر کوئی آدمی تکلیف کرتے ہوئے منہ لگا کر پی لے تو حانث نہیں ہوگا۔

مہجورہ کی مثال

کسی آدمی نے قسم کھائی کہ فلاں کے گھر میں قدم نہیں رکھے گا تو عرفِ عام میں قدم رکھنے کا حقیقی معنیٰ چھوڑ دیا گیا اور مجازی معنیٰ یعنی داخل ہونا مراد ہے۔ اسی بنیاد پر ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر کسی آدمی نے جھگڑے کے سلسلے میں کسی کو اپنا وکیل بنایا تو اسکا حقیقی معنیٰ تو یہ ہے کہ وہ اسکی طرف سے جھگڑا کرے۔ لیکن یہ معنیٰ شرعاً اور

عادتاً چھوڑ دیا گیا ہے لہذا یہاں مجازی معنیٰ مراد ہوگا۔ یعنی مطلق جواب دینا چاہے ہاں کے ساتھ ہو چاہے نہ کے ساتھ۔

حقیقت کی ان دونوں صورتوں میں بالاتفاق مجاز کیطرف پھیرا جائے گا۔

س حقیقت مستعملہ کی صورت میں مجاز کی کیا حیثیت ہوگی؟

ج اگر حقیقتِ مستعملہ کیلئے مجاز متعارف نہ ہو تو بالاتفاق حقیقت پر عمل کرنا زیادہ بہتر ہے اور اگر اسکے ساتھ مجاز متعارف ہو تو امام اعظم کے نزدیک حقیقت پر عمل کرنا اولیٰ ہے اور صاحبین کے نزدیک عموم مجاز پر عمل کرنا زیادہ اچھا ہے۔

* مثلاً:۔ ایک آدمی نے قسم کھائی کہ وہ اس گندم سے نہیں کھائے گا تو امام صاحب کے نزدیک عین گندم سے کھانے کی صورت میں حانث ہو جائے گا اور گندم سے حاصل ہونے والی روٹی کھائے گا تو حانث نہیں ہوگا۔ جبکہ صاحبین کے نزدیک ہر اس چیز کو کھانے سے حانث ہوگا جو گندم سے بنتی ہے مثلاً خود گندم، آٹا، ستو وغیرہ اور یہ عموم مجاز کے طور پر ہے۔

* اسی طرح اگر کسی آدمی نے قسم کھائی کہ نہر فرات سے پانی نہیں پئے گا تو امام اعظم کے نزدیک منہ لگا کر پینے کی صورت میں حانث ہو جائے گا کیونکہ یہ حقیقتِ مستعملہ ہے اور صاحبین کے نزدیک جس طریقے سے پیئے حانث ہو جائے گا۔ منہ لگا کر یا چلو بھر کر یا برتن کے ساتھ۔

س مجاز، حقیقت کا نائب ہے لیکن کیسے؟ اس سلسلے میں ائمہ احناف کا اختلاف لکھیں؟

ج امام اعظم کے نزدیک مجاز لفظ کے حق میں حقیقت کا خلیفہ ہے جبکہ صاحبین کے نزدیک حکم کے حق میں حقیقت کا خلیفہ ہے۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ اگر حقیقت پر عمل ناممکن بھی ہو تب بھی مجاز اسکا نائب بنے گا۔ یہ امام اعظم کے قول کے مطابق ہے

جبکہ صاحبین کے نزدیک مجاز اسی وقت حقیقت کا نائب بنے گا جب حقیقت پر عمل کرنا ممکن ہو مگر کسی مانع کی وجہ سے اس پر عمل نہ ہو سکے۔ مثلاً

* ایک شخص نے اپنے غلام سے جو عمر میں اس سے بڑا تھا کہا "یہ میرا بیٹا ہے" تو صاحبین کے نزدیک حقیقت محال ہے کیونکہ بیٹا باپ سے عمر میں بڑا نہیں ہو سکتا لہٰذا یہاں مجاز بھی مراد نہیں ہوگا اور کلام لغو ہو جائے گا۔

جبکہ امام اعظم کے نزدیک یہاں مجازی معنیٰ مراد ہوگا اور وہ غلام آزاد ہو جائے گا۔

* اسی طرح اگر کسی آدمی نے کہا کہ فلاں آدمی کے مجھ پر ہزار روپے ہیں یا اس دیوار پر یا اس نے کہا کہ میرا غلام آزاد ہے یا گدھا تو صاحبین کے نزدیک چونکہ دیوار کے ذمے ہزار روپیہ نہیں ہو سکتا اور نہ گدھا آزاد ہو سکتا ہے۔ لہٰذا حقیقت ناممکن ہونے کی وجہ سے کلام لغو ہو جائے گا۔

جبکہ امام صاحب کے نزدیک کلام لغو نہیں ہوگا بلکہ مجازی معنیٰ مراد لیں گے یعنی جس پر ہزار روپیہ بن سکتا ہے۔ اسکے ذمے ہزار روپیہ ڈال دیا جائے گا اور جو آزادی کی صلاحیت رکھتا ہے وہ آزاد ہو جائے گا۔

اعتراض

اس قاعدے کے مطابق اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کے بارے میں کہا کہ یہ میری بیٹی ہے۔ حالانکہ اسکا نسب غیر سے معروف تھا تو اس صورت میں امام اعظم کے نزدیک اس عورت کو طلاق ہو جانی چاہیے یعنی جب حقیقت پر عمل کرنا ناممکن نہیں تو مجاز کیطرف رجوع کیا جائے گا حالانکہ آپ اسے طلاق نہیں مانتے؟

جواب

اسکا جواب یہ ہے کہ اگر یہاں حقیقت پائی جاتی یعنی وہ عورت اسکی بیٹی ثابت

ہوتی تو انکا نکاح ہی صحیح نہ ہوتا۔ جب نکاح صحیح نہیں ہوگا تو اسکا حکم طلاق کیسے ثابت ہوگا؟ کیونکہ بیٹی ہونے اور نکاح میں منافات ہے اور طلاق نکاح پر مرتب ہوتی ہے جبکہ بیٹے والی صورت میں یہ بات نہیں ہے کیونکہ بیٹا ہونا اور باپ کا اسکا مالک بننا یہ جمع ہو سکتے ہیں۔ باپ اسکا مالک بن سکتا ہے اور پھر وہ آزاد ہوتا ہے۔

استعارہ کا بیان

س استعارہ کسے کہتے ہیں اور احکامِ شرع میں استعارہ کے صحیح ہونے کی کیا صورت ہے؟

ج استعارہ کا لغوی معنیٰ کوئی چیز بطورِ اُدھار لینا ہے۔ اصولیوں کے نزدیک استعارہ اور مجاز ایک ہی چیز ہے جبکہ اہل بیان کے نزدیک استعارہ، مجاز کی ایک قسم ہے۔ شرعی احکام میں استعارہ کا استعمال دو طریقوں سے ہوتا ہے۔

۱) علت اور حکم کے درمیان اتصال پایا جائے۔

۲) سبب محض اور حکم کے درمیان اتصال پایا جائے۔

پہلی صورت میں استعارہ دونوں طرف سے جائز ہے جبکہ دوسری صورت میں اصل کا استعارہ فرع کیلئے ہو سکتا ہے۔ فرع کا اصل کیلئے نہیں یعنی سبب بول کر مُسبَّب مراد لے سکتے ہیں لیکن اسکا عکس نہیں ہوتا۔

پہلی صورت کی مثال

جب کسی آدمی نے کہا کہ اگر میں غلام کا مالک بنوں تو وہ آزاد ہے چنانچہ وہ نصف غلام کا مالک ہوا۔ پھر اسکو اس نے بیچ دیا۔ پھر دوسرے نصف کا مالک بنا تو وہ غلام آزاد نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ غلام اسکی مِلک میں اجتماعی طور پر نہیں آیا اور اگر اس

نے کہا کہ اگر میں غلام خریدوں تو وہ آزاد ہے پھر اس نے نصف غلام خرید کر بیچ دیا۔ پھر دوسرے نصف کو خریدا تو دوسرا نصف آزاد ہو جائے گا۔ اب یہاں اگر وہ ملک سے خریدنا مراد لیتا ہے یا خریدنے کا لفظ بول کر ملک مراد لیتا ہے تو بطور مجاز اسکی نیت صحیح ہوگی کیونکہ خریدنا ملک کی علت ہے اور ملک اسکا حکم ہے۔ لہٰذا استعارہ دونوں طرفوں سے صحیح ہوگا۔ یعنی علت بول کر معلول اور معلول بول کر علت مراد لے سکیں گے۔ البتہ جہاں اسکے حق میں تخفیف ثابت ہوتی ہو وہاں قاضی اسکے حق میں فیصلہ نہیں دے گا کیونکہ اس سے اس پر تہمت لگتی ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ استعارہ صحیح نہیں ہوا۔

دوسری صورت کی مثال

جب کوئی آدمی اپنی بیوی سے کہے کہ میں نے تجھے آزاد کیا اور اس سے طلاق کی نیت کرے تو یہ قول صحیح ہوگا کیونکہ آزاد کرنا اس صورت میں ملکِ بضعہ کے زوال کو واجب کرتا ہے لیکن ملکِ رقبہ کے زوال کے واسطہ ہے۔ پس اسکا یہ قول ملکِ بضعہ کے زوال کے لیے سبب محض بنے گا لہٰذا جائز ہے کہ وہ لفظِ تحریر بول کر اس سے طلاق مراد لے جو ملکِ بضعہ کو زائل کرتی ہے۔ لیکن اگر وہ اپنی لونڈی سے یہ کہتا ہے کہ میں نے تجھے طلاق دی اور اس سے آزاد مراد لیتا ہے۔ تو یہ بات صحیح نہیں۔ کیونکہ طلاق سے صرف ملکِ بضعہ زائل ہوتی ہے۔ اور اسکے زوال سے رقبہ کا زوال نہیں ہوتا۔

اعتراض

اگر تحریر کو طلاق سے مجاز قرار دیا جائے جسطرح مثال میں بیان کیا گیا ہے تو اس سے طلاقِ رجعی واقع ہونی چاہیے۔ جیسا کہ صریح لفظ میں ہوتا ہے جبکہ آپ اس سے طلاقِ بائن مراد لیتے ہیں۔

"جواب"

یہ اعتراض اس وقت صحیح ہوتا جب ہم تحریر کو طلاق سے مجاز قرار دیں حالانکہ ہم یہاں اسے مِلکِ متعہ کو زائل کرنے والا قرار دیتے ہیں۔ اور یہ طلاقِ بائن میں ہوتی ہے کیونکہ ہمارے نزدیک طلاقِ رجعی میں مِلکِ متعہ زائل نہیں ہوتی۔

س استعارہ کے ضمن میں وہ کون سے الفاظ ہیں جنکے ساتھ نکاح منعقد ہو جاتا ہے؟

ج لفظ ہبہ، تملیک اور بیع کے ساتھ نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔ کیونکہ یہ چیزیں مِلکِ متعہ کے ثبوت کیلئے سبب محض ہیں اور اسکی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنی لونڈی کسی کو ہبہ کرتا ہے یا اسکے مِلک میں دیتا ہے یا اس پر بیع دیتا ہے تو اس سے مِلکِ رقبہ حاصل ہوتی ہے اور مِلکِ رقبہ حاصل ہونے سے مِلکِ متعہ حاصل ہو جاتی ہے۔ آزاد عورت کے سلسلے میں چونکہ مِلکِ رقبہ کا حصول ناممکن ہے۔ لہذا اسے مجازاً مِلکِ متعہ پر محمول کیا جائے گا۔

چونکہ سبب اور مُسبَب کی صورت میں دونوں طرف سے استعارہ صحیح نہیں ہوتا لہذا لفظِ نکاح بول کر بیع، ہبہ اور تملیک وغیرہ مُراد نہیں لے سکتے۔

"ثبوت"

جہاں مجاز کی کوئی صورت متعین ہو اس مقام پر نیت کی ضرورت نہیں ہوگی۔
مثلاً:۔ آزاد عورت کو کہا کہ میں نے تجھے آزاد کیا تو چونکہ یہ مجاز کا محل ہے اور حقیقت یہاں مراد ہو ہی نہیں سکتی لہذا مجازی معنیٰ یعنی طلاق مراد لینے میں نیت کی ضرورت نہیں ہوگی۔

"اعتراض"

صاحبین کے نزدیک جب قاعدہ یہ ہے کہ مجاز کے صحیح ہونے کیلئے حقیقت کا ممکن ہونا شرط ہے۔ تو لفظ ہبہ وغیرہ سے نکاح کیسے مراد لے سکتے ہیں۔ کیونکہ آزاد

عورت کے سلسلے میں ہبہ کا حقیقی معنیٰ محال ہے۔

جواب

آپ کی بات صحیح ہے۔ لیکن کسی نہ کسی صورت میں یہ بات ممکن بھی ہے۔ مثلاً، کوئی عورت مُرتد ہوکر دارِ حرب میں چلی جائے پھر اسے قیدی بنالیا جائے اور یہ ایسے ہی ہے کہ جیسے آسمان کو ہاتھ لگانا ہوا میں اڑنا، پتھر کو سونا بنانا وغیرہ کیونکہ یہ کام ناممکن ہیں۔ لیکن ہوسکتا ہے کوئی شخص بطورِ کرامت انکو انجام دے۔

صریح اور کنایہ کا بیان

س صریح کی تعریف اور حکم بیان کیجیے؟

ج

تعریف

صریح وہ لفظ ہے جسکی مراد ظاہر ہوتی ہے۔ جسطرح "بَیْعٌ" اور "اِشْتَرَیْتُ" وغیرہ

حکم

اسکا حکم یہ ہے کہ اسکا معنیٰ ثابت ہوجاتا ہے چاہے صریح کلام بطور خبر ہو یا صفت یا نِدا کے طور پر ہو۔ اسی طرح صریح الفاظ میں نیت کی ضرورت بھی نہیں ہوتی۔ مثلاً اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے "اَنْتِ طَالِقٌ" یا "طَلَّقْتُکِ" یا "طَالِقٌ" تو نیت کرے یا نہ۔ طلاق واقع ہوجائے گی۔ اسی طرح اگر کسی نے اپنے غلام سے کہا "اَنْتَ حُرٌّ" یا "حَرَّرْتُکَ" یا "یَا حُرُّ" تو غلام آزاد ہوجائے گا۔ نیت ہو یا نہ ہو۔

س تیمم کے مفیدِ طہارت ہونے کے سلسلے میں احناف اور شوافع کا کیا اختلاف ہے؟

احناف کا مؤقف

احناف کا مسلک یہ ہے کہ تیمم مطلق طہارت کا فائدہ دیتا ہے۔ کیونکہ قرآن پاک میں

"وَلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ" کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں جو طہارت کے حصول میں بہتر اور واضح ہیں۔

شوافع کا مؤقف

امام شافعی کے نزدیک اس ضمن میں دو قول ہیں ایک یہ کہ تیمم طہارت ضروریہ ہے اور دوسرا یہ کہ طہارت نہیں بلکہ حدث کو ڈھانپنے والا ہے۔

گویا احناف کا مذہب قرآن پاک کے لفظِ صریح سے ثابت ہے۔

س اس اختلاف کی بنیاد پر کونسے مسائل میں حنفی، شافعی اختلاف واضح ہوتا ہے؟

ج چونکہ ہمارے نزدیک یہ مطلق طہارت ہے لہذا وضو کیطرح یہ وقت سے پہلے جائز ہے۔ ایک تیمم سے دو فرض یا زیادہ ادا کیے جا سکتے ہیں۔ تیمم کرنے والا وضو کرنے والوں کی امامت کرا سکتا ہے۔ نفس یا عضو کے ضائع ہونے کا خوف بھی نہ ہو تب بھی تیمم جائز ہے۔ عید کی نماز اور جنازہ کیلئے تیمم جائز ہے۔ صرف طہارت کی نیت سے بھی جائز ہے۔ یہ تمام مسائل احناف کے نزدیک ہیں۔

جبکہ امام شافعی اسکے خلاف ہیں۔ اُن کے نزدیک محض ضرورت کی بنیاد پر تیمم ہو سکتا ہے ضرورت ختم ہونے پر تیمم ٹوٹ جاتا ہے۔

س کنایہ کسے کہتے ہیں؟ اسکا حکم کیا ہے اور اس سے متعلق کچھ مسائل قلم بند کریں؟

ج کنایہ وہ لفظ ہے جسکا معنیٰ پوشیدہ ہو یہی وجہ ہے کہ مجاز متعارف ہونے سے پہلے کنایہ کی طرح ہوتا ہے۔

حکم

کنایہ کا حکم یہ ہے کہ اس سے حکم اس وقت ثابت ہوتا ہے جب نیت یا حال کی دلالت پائی جائے کیونکہ ایسی دلیل کا ہونا ضروری ہے جسکے ساتھ تردد دور ہو جائے اور جس

وجوہ کا احتمال ہوتا ہے اُن میں سے کوئی راجح ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ طلاق کے مسئلے میں لفظِ بینونت اور تحریر کو کنایہ کہا جاتا ہے اور مراد مخفی ہوتی ہے چونکہ ان الفاظ سے نکاح ختم ہو جاتا ہے لہذا مرد کو رجوع کا حق نہیں ہوتا۔

س صریح اور کنایہ سے ثابت ہونے والے احکام میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟

ج ایک فرق تو یہ ہے جو اس سے پہلے لکھ دیا گیا ہے۔ یعنی صریح کا حکم نیت کا محتاج نہیں ہوگا اور کنایہ میں نیت ضروری ہے۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ کنایہ کے ساتھ سزائیں نہیں دی جائیں۔ یعنی اُسی وقت حد قائم کی جائے گی جب لفظِ صریح بولا جائے۔ مثلاً ایک آدمی نے زنا اور چوری کے سلسلے میں لفظِ کنایہ کے ساتھ اقرار کیا تو اس پر حد واجب نہیں ہوگی۔

"کنایہ کی مثال"

کنایہ کے ساتھ اقرار کی مثال یہ ہے کہ اس نے کہا میں نے فلاں عورت سے جماع کیا یا میں نے فلاں کا مال لیا۔

"صریح کی مثال"

صریح میں لفظِ زنا اور لفظِ سرقہ استعمال کیا جاتا ہے چونکہ کنایہ کے ساتھ سزائیں ثابت نہیں ہوتیں۔ اس لیے اگر گونگے نے اشارے کے ساتھ بات بتائی تو اس پر حد قائم نہیں ہوگی۔

اسی طرح اگر کسی شخص نے دوسرے کو زنا کی تہمت لگائی اور کسی تیسرے آدمی نے کہا "صَدَقْتَ" تو اس تیسرے پر حد قائم نہیں ہوگی کیونکہ ممکن ہے کہ وہ کسی اور بات میں اسکی تصدیق کر رہا ہو۔

"متقابلات"

س متقابلات میں کتنی اور کونسی چیزیں شامل ہیں ہر ایک کا نام لکھیں اور دونوں جوڑوں کو الگ الگ کریں؟

ج متقابلات میں آٹھ چیزیں شامل ہیں اور یہ ہیں۔

ظاہر کے مقابلے میں خفی، نص کے مقابلے میں مشکل، مفسر کے مقابلے میں مجمل اور محکم کے مقابلے میں متشابہ۔

س ظاہر اور نص کی تعریف کریں اور ایک ایسی مثال دیں جو دونوں سے متعلق ہو اسکی وضاحت بھی کریں؟

ج ظاہر:۔ ہر اس اسم کا نام ہے جسکی مراد سامع کیلئے محض سننے سے کسی تامل کے بغیر ظاہر ہو جائے۔

نص:۔ جس کیلئے کلام کو چلایا جائے اسکی مثال اللہ تعالیٰ کا قول:۔

"فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ"

اس میں نص یعنی جس کیلئے کلام کو چلایا گیا ہے وہ بیان عدد ہے یعنی کلام چلایا گیا ہے عدد بیان کرنے کیلئے اور ظاہر اس بات میں کہ آدمی کو تین یا چار عورتوں سے نکاح کی اجازت ہے۔

س لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً اس آیت میں تین چیزیں ہیں انکو وضاحت کے ساتھ تحریر کریں؟

ج اس مذکورہ آیت میں تین چیزیں بیان کی گئی ہیں اُن میں سے ایک یہ ہے کہ یہ نص ہے اسکے بارے میں جسکا مہر مقرر نہ کیا گیا ہو اور ظاہر یہ ہے کہ اس بارے میں کہ مرد کو طلاق دینے کا اختیار حاصل ہے اور تیسری بات اشارہ ہے اس بات کیطرف کہ نکاح مہر کے ذکر کرنے کے بغیر درست ہے۔

س ظاہر اور نص کا حکم بیان کریں اور ان دونوں کے درمیان تفاوت کب ظاہر ہوتا ہے نیز ترجیح کس کو حاصل ہوگی؟

ج ظاہر اور نص کا حکم یہ ہے کہ ان دونوں پر عمل کرنا واجب ہے غیر کے ارادہ کے احتمال کے ساتھ چاہے وہ دونوں عام ہوں یا خاص اور ان دونوں کے درمیان تفاوت مقابلہ کے وقت ظاہر ہوتا ہے اور نص کو ظاہر پر ترجیح حاصل ہوتی ہے۔

س ظاہر اور نص کی مثالیں تحریر کریں؟

ج ۱ اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا طَلِّقِیْ نَفْسَکِ (تو اپنے آپ کو طلاق دے) پس یا اس نے کہا اَبِنْتُ نَفْسِی (میں نے اپنے آپ کو بائنہ کیا) تو طلاقِ رجعی واقع ہوگی۔ کیونکہ اس کا یہ قول طلاق کے حق میں نص ہے اور بینونت کے حق میں ظاہر ہے۔ پس نص پر عمل ترجیح پائے گا۔

۲ اسی طرح اہل عرینہ کیلئے حضور علیہ السلام کا فرمان اِشْرَبُوْا مِنْ اَبْوَالِهَا وَاَلْبَانِهَا (تم صدقات کے اونٹوں کا پیشاب اور اونٹنیوں کا دودھ پیو) شفاء کا سبب بیان کرنے میں نص ہے اور پیشاب پینے کی اجازت میں ظاہر ہے۔

۳ حضور علیہ السلام کا فرمان اِسْتَنْزِهُوْا مِنَ الْبَوْلِ فَاِنَّ عَامَّةَ عَذَابِ الْقَبْرِ مِنْهُ (پیشاب سے بچو کیونکہ قبر کا عذاب عام طور پر اس سے ہوتا ہے) پیشاب سے احتراز کے وجوب میں نص ہے۔ پس نص، ظاہر پر ترجیح پائیگی۔ تو پیشاب کا پینا بالکل جائز نہیں ہوگا۔

۴ حضور علیہ السلام کا فرمان مَا سَقَتْهُ السَّمَاءُ فَفِيْهِ الْعُشْرُ (جس پیداوار کو بارش سیراب کرے اس میں عشر ہے) عشر کے بیان میں نص ہے اور حضور علیہ السلام کا فرمان لَيْسَ فِي الْخَضْرَاوَاتِ صَدَقَةٌ (سبزیوں میں صدقہ نہیں ہے) عشر کی نفی میں مؤول ہے کیونکہ صدقہ کئی وجوہ کا احتمال رکھتا ہے پس پہلا (فرمان) دوسرے پر ترجیح پائے گا۔

س مفسر کی کیا تعریف ہے؟ قرآن پاک سے کوئی مثال دیں اور احکام شرعیہ میں سے بھی کوئی مثال وضاحت کے ساتھ لکھیں؟

ج مفسر وہ ہے جسکی مراد ظاہر ہو متکلم کیطرف سے بیان کی وجہ سے اس حیثیت سے کہ اسکے ساتھ تاویل و تخصیص کا احتمال باقی نہ رہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔

"فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ"

ترجمہ:۔ تو سب کے سب فرشتوں نے سجدہ کیا۔

اس میں اسم ملائکہ ظاہر ہے مگر اس میں تخصیص کا احتمال باقی ہے کہ تمام ملائکہ نے سجدہ کیا ہے یا بعض نے لفظ "کُلُّھُمْ" کہنے سے تخصیص ختم ہوگئی مگر ابھی بھی تفرقہ کا احتمال باقی ہے لفظ "اجمعون" نے تفرقہ کے احتمال کو بھی دور کر دیا۔ یعنی سب نے مل کر سجدہ کیا۔

* اسی طرح اگر کوئی شخص کہتا ہے کہ مجھ پر فلاں کے ہزار ہیں اس غلام کی قیمت سے یا اس مال کی قیمت سے۔ تو اسکا یہ قول کہ مجھ پر ہزار ہیں یہ نص ہے ہزار کے لازم ہونے کے بارے میں مگر ابھی تفسیر کا احتمال باقی ہے کہ کس چیز کے ہزار ہیں تو آدمی کا یہ قول کہ مجھ پر اس غلام کے ہزار ہیں یا اس مال کے ہزار ہیں اس سے مراد بیان ہوگی پس مفسر کو ترجیح حاصل ہوگئی نص پر پس قبضہ کے وقت اس پر مال کی ادائیگی لازم ہے۔

مفسر کا حکم یہ ہے کہ اس پر عمل کرنا لامحالہ طور پر واجب ہوتا ہے۔

س محکم کسے کہتے ہیں؟ تعریف مثال اور حکم بیان کریں؟

ج محکم وہ ہے جس میں مفسر سے زیادہ قوت ہوتی ہے۔ اسطرح کہ اسکا خلاف بالکل جائز نہیں ہوتا۔ جیسے۔ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ اور اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظْلِمُ النَّاسَ شَیْئًا۔

"حکم"

محکم کا حکم یہ ہے کہ اس پر عمل کرنا لامحالہ طور پر واجب ہوتا ہے۔

س خفی، مشکل، مجمل اور متشابہ ان چاروں کی وضاحت کریں؟

ج

خفی

خفی وہ ہے جسکی مراد چھپی ہوئی ہو کسی عارضہ کی وجہ سے صیغہ کی وجہ سے نہیں۔
مثلاً اللہ تعالیٰ کا قول ہے " وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا اَیْدِیَھُمَا "
یہ سارق کے بارے میں ظاہر ہے لیکن طرار اور نباش کے بارے میں یہ خفی ہے کیونکہ
سارق اسکو کہا جاتا ہے جو چھپ کر کوئی چیز چرائے اور
خفی کا حکم یہ ہے کہ طلب واجب ہوتی ہے یہاں تک کہ اس سے خفا دور ہو جائے۔

مشکل

مشکل وہ ہے جس میں خفی سے زیادہ خفا ہوتا ہے کیونکہ جو چیز سامع پر مخفی ہے اسکی
حقیقت اسکی اشکال و امثال میں داخل ہے۔ یہاں تک کہ اسکی کوئی مراد نہیں پائی جاتی
مگر طلب کے ساتھ پھر تامل کے ساتھ یہاں تک کہ وہ اپنی امثال سے ممتاز ہو جائے۔
مثلاً کسی نے قسم اٹھائی کہ وہ ادام (سالن) نہیں کھائے گا تو یہ سرکہ اور کھجور کے شیرے
میں ظاہر ہے البتہ گوشت، انڈہ اور پنیر میں وہ مشکل ہے یہاں تک کہ ابتدام کے معنی
میں طلب کی جائے، پھر غور و فکر کیا جائے کہ یہ معنی کیا گوشت، انڈے اور پنیر میں
پایا جاتا ہے یا نہیں۔

مجمل

مجمل وہ ہے جو کئی وجوہ کا احتمال رکھتا ہے اور اسطرح ہوتا ہے کہ اسکی مراد ظاہر نہیں ہوتی
مگر متکلم کی طرف سے بیان کے ساتھ اسکی مثال شرعیات میں جیسے اللہ پاک کا قول ہے
" حَرَّمَ الرِّبَا " کیونکہ ربا کا مفہوم وہ زیادتی ہے جو مطلق ہو لیکن مطلق زیادتی
مراد نہیں بلکہ اس سے مراد وہ زیادتی ہے جو کسی عوض سے خالی ہو ہم جنس و مقدار

اور ماپ والی اشیاء کی بیع میں۔

متشابہ

متشابہ وہ ہے جس میں خفا ہی خفا ہوتی ہے یعنی مجمل سے بھی زیادہ خفا ہوتی ہے جیسا کہ حروف مقطعات جو بعض سورتوں کے شروع میں ہوتے ہیں۔

مجمل اور متشابہ کا حکم یہ ہے کہ انکی مراد کے حق ہونے کا یقین اور اعتقاد رکھا جائے۔

س اگر کسی شخص نے قسم کھائی کہ "لا یا تدم" تو اس میں کیا کیا احکام جاری ہوں گے؟

ج اگر کسی نے قسم کھائی لا یا تدم کہ وہ سالن نہیں کھائے گا تو یہ بات سرکہ اور کھجور کے دس میں تو ظاہر ہے مگر بھنے ہوئے گوشت، انڈے اور پنیر میں مشکل ہے پہلے ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ادام کا معنی کیا ہے۔ تو سالن اس چیز کو کہا جاتا ہے جس سے روٹی بھگو کر کھائی جا سکے اب دیکھیں گے کہ سالن کا معنی بھنے ہوئے گوشت انڈے اور پنیر پر صادق آتا ہے۔ تو انکے کھانے سے وہ حانث ہو جائے گا اگر نہیں تو ان کے کھانے سے وہ حانث نہیں ہوگا تو ہم نے دیکھا کہ سالن کا معنی سرکے اور کھجور کے شیرے پر صادق آتا ہے۔ لہٰذا ان کے کھانے سے وہ حانث ہو جائے گا مگر چونکہ سالن کا مفہوم بھنے ہوئے گوشت، انڈے اور پنیر پر صادق نہیں آتا لہٰذا ان کے کھانے سے وہ حانث نہیں ہوگا۔

لفظ کا حقیقی معنیٰ ترک کرنے کا بیان

س حقائق الفاظ چھوڑنے کی کتنی صورتیں ہیں یا کتنی چیزوں کی وجہ سے الفاظ کے حقیقی معانی کو چھوڑا جا سکتا ہے؟

ج جن چیزوں کے ساتھ حقائقِ الفاظ کو ترک کیا جاتا ہے ان کی پانچ قسمیں ہیں۔

1) عرفِ عام کی دلالت 2) نفسِ کلام کی دلالت

3) سیاقِ کلام کی دلالت 4) متکلم کی جانب سے دلالت 5) محلِ کلام کی دلالت

س ان تمام دلالتوں کی ایک ایک مثال بیان کریں؟

1 - "دلالتِ عرف"

یہ اصل ہے کہ الفاظ سے احکام کا ثبوت صرف متکلم کے مرادی معنیٰ پر لفظ کی دلالت سے ہوتا ہے پس جب معنیٰ لوگوں کے درمیان متعارف ہو تو وہی معنیٰ متعارف اس پر دلیل ہوگا کہ لفظ سے بظاہر یہی مراد ہے۔ پس حکم اسی (معنیٰ متعارف) پر مترتب ہوگا مثلاً:- اگر کسی آدمی نے قسم کھائی کہ وہ سر نہیں کھائے گا تو اس کا اطلاق اس سر پر ہوگا جو لوگوں میں معروف ہے۔ مثلاً بکری کا سر لہٰذا چڑیا اور کبوتر کا سر کھانے سے وہ حانث نہیں ہوگا کیونکہ یہاں عرف کا اعتبار کرتے ہوئے لفظ کے حقیقی معنیٰ کو چھوڑ دیا گیا ہے۔

نوٹ:- یہاں یہ بات پیشِ نظر رکھنی چاہیے کہ اس مقام پر حقیقت کو چھوڑنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مجاز کی طرف رجوع کیا جاتا ہے بلکہ حقیقتِ کاملہ سے حقیقتِ قاصرہ کی طرف رجوع ہوگا۔

2 - "نفسِ کلام کی دلالت"

کبھی نفسِ کلام میں دلالت کی وجہ سے حقیقت کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اسکی مثال جب کسی آدمی نے یہ کہا کہ میرا ہر غلام آزاد ہے تو اسکے مکاتب اور وہ غلام

جن کا بعض حصہ پہلے آزاد ہو چکا ہے آزاد نہیں ہوں گے البتہ یہ کہ ان کی نیت کرے یہاں حقیقت کاملہ کو چھوڑا گیا ہے کیونکہ نفسِ کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مملوک مراد ہے جو مکمل طور پر مملوک ہو اسکی وجہ یہ ہے کہ لفظ مملوک مطلق ہے لہٰذا اس مملوک کو شامل ہوگا جو من کل وجہ مملوک ہو جبکہ مکاتب مکمل طور پر مملوک نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ مکاتب میں مالک کا تصرف جائز نہیں لہٰذا یہاں پر حقیقت کاملہ پر عمل چھوڑ دیا جائے گا۔

3- "سیاقِ کلام کی دلالت"

کبھی سیاق کلام کی دلالت کی وجہ سے حقیقت کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ نے سیر کبیر میں فرمایا۔

جب کسی مسلمان نے حربی سے کہا کہ تو اُتر تجھے امن ہے تو اسکو امن حاصل ہو جائے گا لیکن اس نے کہا کہ اُترا گر تو مرد ہے تو امن حاصل نہیں ہوگا۔ یہاں اترنے کی اجازت امن کو ثابت کرتی ہے لیکن جس انداز میں کلام چلایا گیا ہے اس سے امن ثابت نہیں ہوتا یعنی یہ کہ اگر تو مرد ہے تو اُتر" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امن کا مستحق نہیں۔ یہاں حقیقت کو سیاقِ کلام کی دلالت کی وجہ سے چھوڑ دیا جائے گا۔

4- متکلم کی جانب سے دلالت

یعنی متکلم کی حیثیت کو دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اسکی کلام سے حقیقی معنیٰ مراد ہو سکتا ہے یا نہیں مثلاً ایک مسافر نے کسی جگہ دلستے میں اُترتے ہوئے کسی آدمی کو گوشت خریدنے کیلئے کہا۔ یہاں گوشت کا حقیقی معنیٰ تو یہ ہے کہ کچا گوشت مراد ہو مگر چونکہ وہ مسافر ہے اور حالتِ سفر میں پکانے کا کوئی انتظام نہیں اسلیے متکلم کی حالت کو دیکھتے ہوئے حقیقی معنیٰ کو چھوڑ دیا جائے گا اور پکا ہوا یا بھنا ہوا گوشت مراد لیا جائے گا۔

۶۔ محل کلام کی دلالت

اسکا مطلب یہ ہے کہ محل لفظ کی حقیقت کو قبول نہیں کرتا لہٰذا اسکے معنیٰ کو چھوڑ دیا جائے گا مثلاً ایک آزاد عورت کہتی ہے کہ میں نے اپنے آپ کو تجھ پر بیچا یا ہبہ کیا یا اپنا مالک بنایا یا صدقہ کیا تو چونکہ ایک آزاد عورت ان تمام باتوں کا محل نہیں ہے لہٰذا یہاں پر حقیقی معنیٰ کو چھوڑ کر مجازی معانی مراد لیں گے یعنی یہاں ان باتوں سے مراد نکاح ہوگا۔

متعلقات نصوص کا بیان

س نص کا تعلق کتنی اور کون کونسی چیزوں کے ساتھ ہوتا ہے یا متعلقاتِ نصوص کتنی اور کون کونسی چیزیں ہیں؟

ج نص کا تعلق چار چیزوں کے ساتھ ہوتا ہے۔

۱) عبارت ۲) اشارہ ۳) دلالت ۴) اقتضاء

اسی بنیاد پر انکے یہ نام رکھے گئے ہیں۔

۱) عبارۃ النص ۲) اشارۃ النص ۳) دلالت النص ۴) اقتضاء النص

س ان چاروں سے کونسے حکم ثابت ہوتے ہیں؟

ج * عبارۃ النص سے وہ حکم ثابت ہوتا ہے جسکے لیے کلام کو چلایا گیا اور اسکا قصد کیا گیا ہو

* اشارۃ النص سے ثابت ہونے والا حکم، نظم نص ہی سے ثابت ہوتا ہے اور مقصد عبارت کی ضرورت بھی نہیں ہوتی لیکن من کل الوجوہ ظاہر نہیں ہوتا ہے اور نہ ہی اس کے لیے عبارت کو چلایا جاتا ہے۔

* دلالت النص سے وہ حکم ثابت ہوتا ہے۔ جو منصوص علیہ حکم کی علت کے طور پر از روئے لغت معلوم ہوتا ہے اجتہاد اور استنباط کا اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔

* اقتضاء النص سے ثابت ہونے والا حکم عبارۃ النص پر اضافہ ہوتا ہے کیونکہ اسکے بغیر عبارۃ النص کا معنی متحقق نہیں ہوتا گویا کہ نص خود اسکا تقاضا کرتی ہے تاکہ اسکا اپنا معنی صحیح قرار پائے۔

س ان متعلقات نصوص میں سے ہر ایک کی ایک ایک مثال لکھیں؟

ج

"عبارۃ النص مع اشارۃ النص کی مثال"

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ "لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ" مالِ غنیمت ان مہاجر فقراء کیلئے ہے جن کو ان کے گھروں سے نکالا گیا یہ آیت مالِ غنیمت کی مستحقین کے بیان کیلئے چلائی گئی ہے لہٰذا اس بارے میں یہ عبارۃ النص ہے لیکن چونکہ اشارۃ کے طور پر مہاجرین کا فقر بھی نظمِ نص کے ساتھ ثابت ہو رہا ہے لہٰذا یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر کافر مسلمان کے مال پر غلبہ حاصل کرے تو یہ غلبہ کافر کیلئے ثبوتِ ملک کا سبب بنے گا کیونکہ اگر مال ان مسلمانوں کی ملک میں باقی رہے تو انکا فقر ثابت نہیں ہوگا لہٰذا اس مثال میں کافر کی ملکیت کا ثبوت اشارۃ النص سے ہوا۔

"دلالت النص کی مثال"

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وَلَا تَقُل لَّهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا" اور ان (ماں باپ) کو اُف نہ کہو اور نہ ہی انہیں جھڑکو لغت کی وضع کو جاننے والا محض اس آیت کے سننے سے سمجھ جاتا ہے کہ ماں باپ کو اُف کہنے کی حرمت ان سے اذیت کو دور رکھنا ہے۔

"اقتضاء النص کی مثال"

کوئی شخص اپنی بیوی کو کہتا ہے "اَنتِ طَالِقٌ" یہ جملہ عورت کی صفت بنتا ہے۔ لیکن صفتِ مصدر کا تقاضا کرتی ہے۔ پس گویا کہ "طَالِقٌ" میں مصدر یعنی طلاق اقتضاء کے طور پر موجود ہے۔

س عبارۃ النص اور اشارۃ النص کے بارے میں جو مثال پیش کی گئی ہے اسکی مزید وضاحت کیجیے اور اس سے ثابت ہونے والے مسائل کا اجمالاً ذکر کیجیے؟

ج جب اشارۃ النص سے ثابت ہوا کہ مسلمان کے مال پر کافر کا غلبہ کافر کی ملکیت کو ثابت کرتا ہے تو اس سے واضح ہوتا ہے کہ اگر کافر سے وہ مال کوئی تاجر خریدے تو یہ سودا صحیح ہے اور خریدنے والا اسکا مالک ہو جاتا ہے اور اس میں اسکا ہر قسم کا تصرف جائز ہے وہ اسے بیچ سکتا ہے۔ ہبہ کر سکتا ہے اور آزاد کر سکتا ہے اسی طرح اس مال کا غنیمت بننا صحیح ہے غازی اس کا مالک ہو سکتا ہے اور پہلے مسلمان مالک کو غازی کے ہاتھ سے لینے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔

س عبارۃ النص اور اشارۃ النص کے سلسلے میں روزے کی مثال بیان کی گئی ہے اسکی وضاحت کریں اور اس سے ثابت ہونے والے احکام کا ذکر کیجیے؟

ج اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ "اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ ـــــ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ" یہ آیت اس مقصد کیلئے چلائی گئی ہے کہ رمضان کی رات میں عورت سے جماع کرنا جائز ہے لہٰذا اس سلسلے میں یہ عبارۃ النص ہے اور اشارۃ النص سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ صبح کی پہلی جز میں جنابت کے ساتھ روزہ شروع ہو سکتا ہے کیونکہ صبح تک جماع کے جواز کا وقت ہے لہٰذا صبح کی پہلی جز میں جماع کا وقت ختم ہوگا اور ساتھ ہی روزے کا وقت شروع ہو جائے گا۔ اشارۃ النص سے ثابت ہو گیا کہ جنابت اور روزہ ایک دوسرے کے منافی نہیں ہیں اور اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا کیونکہ روزہ دار جنابت سے غسل کرے گا تو کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا اسکے لیے ضروری ہے اور یہ مسئلہ بھی ثابت ہوا کہ کسی چیز کو چکھنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا بشرطیکہ حلق سے نیچے نہ اترے کیونکہ روزے کی حالت میں فرض غسل کرتے وقت کلی بھی کی جائے گی اور اگر پانی

کھارا یا نمکین ہو الٹا وہ بھی استعمال ہو سکتا ہے اور اس صورت میں روزہ نہیں ٹوٹتا اور ایک مسئلہ یہ بھی معلوم ہوا کہ روزے کی حالت میں احتلام ہونا، پچھنے لگوانا اور تیل لگانا روزے کے منافی نہیں ہیں کیونکہ روزے کا رکن تین چیزوں سے رُک جانے سے پورا ہو جاتا ہے اور اس سے یہ مسئلہ بھی نکلتا ہے کہ روزہ رمضان کیلئے رات کو نیت کرنا ضروری نہیں ہے کیونکہ مامور بہ کو ادا کرنے کا ارادہ یعنی (نیت) اس وقت ضروری ہوگا جب امر متوجہ ہوگا اور روزے کا امر من کی پہلی جز کے بعد متوجہ ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ "ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ" اور یہ "ثم" من الفجر کے بعد آیا ہے لہذا نیت بھی اسی وقت لازم ہوگی۔

س دلالت النص کے سلسلے میں مزید وضاحت کیجیے؟

ج دلالت النص کا حکم یہ ہے کہ منصوص علیہ میں پائی جانے والی علت جہاں جہاں پائی جائے گی اسکا حکم بھی پایا جائے گا مثلاً اُف کہنے سے اسلیے منع کیا گیا ہے کہ اس سے ماں باپ کو اذیت ہوتی ہے۔ اب جس بات میں اذیت پائی جائے گی ماں باپ کیلئے اسکا استعمال ناجائز ہوگا مثلاً انہیں مارنا، گالی دینا، اجرت پر کام لینا، قرض کے سبب قید کرنا اور قصاص میں قتل کرنا یہاں یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ جن لوگوں کے نزدیک لفظ اُف کہنا حرمت کی علامت ہے وہاں ماں باپ کو اُف کہنا حرام نہ ہوگا۔ اسی ضمن میں یہ مثال بھی ہے کہ اگر خرید و فروخت والا قدین کو جمعہ کی طرف سعی سے نہ روکے تو بیع حرام نہ ہوگی۔

* اسی طرح اگر کسی آدمی نے قسم کھائی کہ وہ اپنی بیوی کو نہیں مارے گا پھر اس نے اسکے بال کھینچے یا گلا گھونٹا یا دانتوں سے چبا لیا تو دیکھیں گے کہ اگر یہ کام تکلیف پہنچانے کیلئے کیے ہیں تو وہ جانث ہوگا اور اگر مزاح کی صورت تھی تو حانث نہیں ہوگا۔

* اگر کسی نے قسم کھائی کہ فلاں شخص کو نہیں مارے گا پھر اسکے مرنے کے بعد مارا تو وہ

حانث نہیں ہوگا کیونکہ اذیت پہنچانا نہیں پایا گیا۔

* کسی شخص سے بات نہ کرنے کی قسم کھائی تو موت کے بعد گفتگو کرنے سے حانث نہیں ہوگا کیونکہ افہام نہیں پایا گیا۔

* اگر کوئی شخص قسم کھاتا ہے کہ وہ گوشت نہیں کھائے گا تو مچھلی اور ٹڈی کا گوشت کھانے سے حانث نہیں ہوگا جبکہ خنزیر اور انسان کا گوشت کھانے سے حانث ہو جائے گا کیونکہ اسکا مقصد یہ تھا کہ وہ اس گوشت سے بچے گا جو خون سے پیدا ہوتا جبکہ مچھلی وغیرہ کا گوشت خون سے نہیں بنتا۔

س کسی مثال کے ذریعے منصوص علیہ، غیر منصوص علیہ، علت اور حکم کی وضاحت کیجیے

ج "وَلَا تَقُل لَّهُمَا أُفٍّ" یہ منصوص علیہ ہے اس میں علت جو لغوی معنیٰ کے اعتبار سے ثابت ہوتی ہے اذیت ہے حکم اُف نہ کہنا ہے اور مار باپ کو گالی وغیرہ دینا غیر منصوص علیہ ہے چونکہ اُف نہ کہنے کا حکم نص سے ثابت ہے لہٰذا وہ منصوص علیہ ہے اور اسکی علت یعنی اذیت پہنچانا جب غیر منصوص علیہ میں پائی جائے گی تو اسکا حکم وہاں بھی ثابت ہو جائے گا۔ مثلاً گالی دینے سے اذیت پہنچتی ہے تو گالی نہ دینا ضروری ہوگا۔

س جب کسی آدمی نے دوسرے کو کہا کہ اپنا غلام میری طرف سے ایک ہزار میں آزاد کر دو تو یہاں غلام کی آزادی کیسے ثابت ہوگی؟

ج درحقیقت اسکا دوسرے آدمی کو یہ کہنا کہ میری طرف سے ایک ہزار کے بدلے میں غلام کو آزاد کر دے اس بات کی دلیل ہے کہ تو اپنا غلام مجھ پر بیچ دے اور پھر میرا وکیل بن کر اسے آزاد کر دے لہٰذا بیع اقتضاء النص سے ثابت ہوگی اور اگر وہ ایک ہزار کا نہیں کہتا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مجھے بطور ہبہ اپنا غلام دے دو اور

پھر اسے میری طرف سے وکیل بن کر آزاد کر دو یہاں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ بیع کی قبولیت بیع کا رکن ہے لہذا وہ بھی بطور اقتضاء النص ثابت ہو جائے گی۔

س یہاں بیع اور ہبہ کے سلسلے میں امام ابو یوسف اور طرفین رحمہم اللہ کے درمیان ایک اختلاف ہے اسکو بوضاحت نقل کریں؟

ج امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہبہ کی صورت میں اس غلام پر قبضہ شرط نہیں ہوگا جیسے بیع میں قبولیت بطور اقتضاء ثابت ہو جاتی ہے ہبہ میں قبضہ بھی اقتضاءً ثابت ہو جاتا ہے جبکہ طرفین کے نزدیک ہبہ میں قبضہ ضروری ہے اور یہ اقتضاءً ثابت نہیں ہوتا دونوں میں فرق یہ ہے کہ قبولیت بیع کا رکن ہے اور بیع کے ثابت ہونے سے قبولیت بھی ثابت ہو جاتی ہے کیونکہ اِذَا ثَبَتَ الشَّیْءُ ثَبَتَ بِجَمِیْعِ لَوَازِمِہٖ جبکہ ہبہ میں قبضہ اسکا رکن نہیں ہے جس سے یہ لازم آئے کہ ہبہ کے ساتھ قبضہ بھی خود بخود ثابت ہو جائے گا۔

س اقتضاء النص کا حکم کیا ہے؟

ج اسکا حکم یہ ہے کہ اس سے جو چیز ثابت ہوگی وہ بقدر ضرورت ثابت ہوگی کیونکہ اقتضاء النص کو خود صحتِ کلام کی ضرورت کے تحت ثابت کیا گیا ہے لہذا اگر کسی آدمی نے اپنی بیوی سے کہا اَنْتِ طَالِقٌ" اور اس نے تین طلاقوں کی نیت کی تو اس سے ایک ہی طلاق واقع ہوگی۔ کیونکہ طلاق بطورِ اقتضاء ثابت ہونے کی وجہ سے ضرورت کے مطابق ثابت ہوگی اور ایک طلاق سے ضرورت پوری ہو جاتی ہے اس ضابطے کے مطابق اگر کسی آدمی نے کہا اِنْ اَکَلْتِ فَاَنْتِ طَالِقٌ" (اگر میں کھاؤں تو میرا غلام آزاد یا میری بیوی کو طلاق) اس سے ایک مخصوص کھانے کی نیت کی تو یہ نیت صحیح نہیں ہوگی کیونکہ لفظ اکل طعام کا تقاضا کرتا ہے لہذا طعام اقتضاء النص ثابت ہونے کی وجہ سے ضرورت کے اندازے پر

ہوگا اور ضرورت فرد مطلق سے پوری ہو جاتی ہے یعنی کھانے کا کوئی فرد بھی پایا جائے اور فرد مطلق میں تخصیص نہیں ہوتی کیونکہ تخصیص کا دارومدار عموم پر ہوتا ہے اسطرح کسی آدمی نے جماع کے بعد اپنی بیوی سے کہا کہ عدت گزار اور اس سے طلاق کی نیت کی تو بطور اقتضاء طلاق ثابت ہو جائے گی کیونکہ عدت گزارنا طلاق کو چاہتا ہے لیکن ایک طلاق رجعی ہوگی کیونکہ بینونۃ کی صفت ضرورت سے زائد ہے لہٰذا اقتضاء کے طور پر نہ تو طلاق بائنہ ثابت ہوگی اور نہ ہی ایک سے زائد طلاقیں۔

امر کا بیان

س امر کا لغوی اور اصطلاحی معنی بیان کیجیے؟

ج لغوی:۔ امر کا لغوی معنی یہ ہے کہ کوئی شخص دوسرے کو کہے یہ کام کر قائل کا قول اپنے غیر کیلئے۔

اصطلاح:۔ شریعت کی اصطلاح میں دوسرے پر فعل کو لازم کرنے کا تصرف امر کہلاتا ہے۔

س بعض آئمہ کے نزدیک امر کی مراد یعنی وجوب صیغہ امر کے ساتھ خاص ہے۔ آپ بتائیں کہ وہ آئمہ کون کونسے ہیں اور انکی اس بات کا مفہوم کیا ہے؟

ج ان آئمہ سے مراد فخر الاسلام بزدوی اور شمس الائمہ سرخسی ہیں انکے نزدیک اس قول کے تین مفہوم ہیں جن میں سے دو محال ہیں۔ اور تیسرا صحیح ممکن ہے اگر یہ کہا جائے کہ حقیقت امر صیغہ امر کے ساتھ خاص ہے تو یہ بات محال ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ازل میں بھی متکلم تھا اور اسکا کلام امر نہی و اخبار و استخبار پر مشتمل تھا لیکن اس وقت امر کا صیغہ نہیں تھا کیونکہ الفاظ حادث ہیں تو معلوم ہوا کہ ازل میں امر تو تھا لیکن صیغہ امر نہیں تھا

لیکن لہٰذا اختصاص ختم ہوگیا۔

اور اگر یہ معنیٰ مراد لیا جائے کہ امر کے حکم سے کوئی چیز اس وقت واجب ہوتی ہے جب صیغہ امر پایا جائے تو یہ بات بھی محال ہے کیونکہ امر کے صیغہ کے بغیر بھی وجوب ثابت ہوجاتا ہے مثلاً اس آدمی پر ایمان لانا واجب ہے جسکے پاس اسلام کی دعوت نہیں پہنچی اور اسکو اس دعوت کی سماعت حاصل نہیں ہوئی جیسے امام اعظم فرماتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ انبیاء کو نہ بھیجتا تو بھی عقلمند لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی معرفت واجب ہوتی گویا کہ وجوب انکی عقل کی بنیاد پر ہے صیغہ امر کی وجہ سے نہیں ہے تیسری صورت جو صحیح ہے وہ یہ ہے کہ شرعی احکام بندے پر اس وقت تک واجب نہیں ہوتے جب تک کہ صیغہ امر نہ پایا جائے یہی وجہ ہے کہ نبی پاک کا فعل آپ کے ارشاد افعلوا کے برابر نہیں ہے اور اسکے وجوب کا اعتقاد ضروری نہیں ہے۔

س بَلْ مُتَابَعَتُهٗ فِیْ اَفْعَالِهٖ عَلَیْهِ السَّلَامُ اِنَّمَا تَجِبُ عِنْدَ الْمُوَاظَبَةِ وَانْتِفَاءُ دَلِیْلِ الْاِخْتِصَاصِ

کا کیا مطلب ہے؟

ج یہ عبارت ایک اعتراض کا جواب ہے اعتراض یہ ہے۔

"اعتراض"

جب فعلِ رسول سے کوئی چیز واجب نہیں ہوتی لہٰ فَاتَّبِعُوْنِیْ کا کیا مطلب ہوگا حالانکہ قرآن پاک کے یہ الفاظ متابعت کا وجوب چاہتے ہیں اور آپ نے یہ کہا ہے کہ فعلِ رسول سے کوئی چیز واجب نہیں ہوتی تو اسکے جواب میں یہ کہا گیا ہے۔

"جواب"

حضور علیہ السلام کے ان افعال میں اطاعت واجب ہوتی ہے جن کو آپ نے ہمیشہ کیا اور انکا چھوڑنا آپ سے ثابت نہیں ہے سوا وہ افعال کوئی ایسی دلیل بھی نہ ہو جس سے

پتہ چلے کہ یہ افعل آپ کی ذلت سے مخصوص ہے۔

"امر مطلق"

س امر مطلق کسے کہتے ہیں اور اسکا حکم کیا ہے؟

ج امر مطلق وہ امر ہے جس میں لزوم یا عدم لزوم پر دلالت کرنے والی کوئی بات نہ ہو جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وَاِذَا قُرِیَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ" اور اسی طرح "وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ"۔ اسکے حکم میں آئمہ کا اختلاف ہے لیکن صحیح مذہب یہ ہے کہ جب تک اسکے خلاف پر کوئی دلیل قائم نہ ہو اس پر عمل کرنا واجب ہوتا ہے کیونکہ امر کا ترک گناہ ہے جیسا کہ امر کا بجالانا اطاعت ہے اور جس چیز کے ترک سے گناہ ہو وہ واجب ہوتی ہے اس فہم میں مصنف نے دو شعر نقل کیے ہیں۔

تو نے مجھ سے محبت کرنے میں اپنے حکم دینے والوں کی اطاعت کی ہے تو انہیں حکم دے کہ وہ بھی اپنے محبوبوں کے بارے میں یہی طریقہ اختیار کریں پس اگر وہ تیری بات مان لیں تو تو انکی بات مان اور اگر وہ تیری نافرمانی کریں تو جس نے تیری نافرمانی کی تو بھی اسکی نافرمانی کر۔

ان اشعار میں ترکِ حکم کو معصیت قرار دیا گیا ہے اور شریعت کے حق میں معصیت سزا کا سبب ہوتی ہے معلوم ہوا کہ مطلق امر وجوب کو چاہتا ہے ورنہ اسکے چھوڑنے پر سزا کا مستحق نہ ہوتا۔

س یہ بات جو ابھی بیان کی گئی ہے اسکی وضاحت مطلوب ہے؟

ج اس کی وضاحت یہ ہے کہ امر کی بجا آوری اسی انداز سے پر لازم ہوتی ہے جس قدر آمر کو مخاطب پر ولایت حاصل ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر تم کسی ایسے آدمی کیطرف صیغہ امر متوجہ کرو جس پر تمہاری فرمانبرداری بالکل لازم نہیں تو اس پر امر کا بجالانا واجب نہیں ہوگا لیکن اگر ایسے آدمی کو حکم دو جس پر تمہاری اطاعت لازم ہے۔ مثلاً۔ غلام تو اس پر حکم کا بجالانا بہر حال لازم ہوگا۔ حتیٰ کہ اگر وہ بجا نہیں لاتا تو عرفاً اور شرعاً سزا کا مستحق ہے۔ معلوم ہوا کہ امر بجالانے کا لزوم آمر کے اختیارات کے انداز پر ہوتا ہے اور جب یہ بات ثابت ہوگئی تو ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو دنیا کے تمام اجزاء میں سے ہر ایک جز پر ملک کامل حاصل ہے اور وہ جس طرح چاہے تصرف کر سکتا ہے لہٰذا وہ آدمی جس کو اپنے غلام میں ملک قاصر حاصل ہے اس کے حکم کا ترک سزا کا سبب ہے تو وہ ذات جو تمہیں عدم سے وجود میں لائی اور تم پر اپنی نعمتوں کی بارش کر دی تو اس کا حکم چھوڑ دینا کتنا بڑا جرم ہوگا نتیجہ یہ نکلا کہ امر کا بجالانا واجب ہے۔

امر بالفعل تکرار کا تقاضا نہیں کرتا

س کیا امر بالفعل تکرار کو چاہتا ہے؟ وضاحت کریں؟

ج امر بالفعل تکرار کو نہیں چاہتا اور نہ ہی احتمال رکھتا ہے اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے اپنے وکیل کو کہا کہ میری بیوی کو طلاق دے اور وکیل نے اسکو طلاق دے دی پھر موکل نے اسی عورت سے دوبارہ نکاح کیا تو وکیل کو اس پہلے امر کی وجہ سے دوبارہ طلاق دینے کا اختیار نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کسی کو اپنے نکاح کیلئے وکیل بنائے یا اپنے غلام کو نکاح کی اجازت دے تو یہ وکالت اور اجازت بھی صرف ایک بار ہوگی۔

س امر بالفعل تکرار کو کیوں نہیں چاہتا؟

ج کسی فعل کا حکم اس فعل کو ایجاد کرنے کی طلب ہوتی ہے اور یہ طلب اختصار کے طور پر ہوتی ہے مثلاً اِضْرِبْ یہ مختصر ہے اِفْعَلْ فِعْلَ الضَّرْبِ سے اور اختصار ایک بار کا تقاضا کرتا ہے کیونکہ مختصر اور طویل کلام معنیٰ کے اعتبار سے ایک جیسے ہیں لہذا جب طویل کلام کو مختصر کیا گیا تو اس کا مطلب معنیٰ کی تبدیلی نہیں بلکہ اختصار مطلوب ہوتا ہے اور یہ اختصار ایک بار کو شامل ہوتا ہے تکرار کو نہیں چاہتا۔ ایک وجہ یہ ہے کہ مارنے کا امر ایک معلوم تصرف کی جنس کا امر ہے اور اسم جنس کا حکم یہ ہے کہ وہ جب مطلق بولا جائے تو اس سے ادنیٰ مراد ہوتا ہے۔ اگرچہ کل جنس کا بھی احتمال رکھتا ہے لہذا اِضْرِبْ میں جب فعل ضرب پایا جاتا ہے تو لفظ ضرب مصدر ہونے کی وجہ سے اسم جنس ہے۔ بنا بریں اس سے مارنے کا ادنیٰ فرد مراد ہوگا اور وہ ایک بار مارنا ہے

س اس بات پر کوئی مثال پیش کیجیے کہ اسم جنس سے اطلاق کے وقت ادنیٰ فرد مراد ہوتا ہے؟

ج اس کی مثال یہ ہے کہ اگر کسی آدمی نے قسم کھائی کہ وہ پانی نہیں پئے گا تو ایک ادنیٰ قطرہ پانی پینے سے بھی حانث ہو جائے گا ہاں اگر وہ دنیا بھر کے پانیوں کی نیت کرے تو اس کی نیت صحیح ہو جائے گی اور اب وہ بالکل حانث نہیں ہوگا کیونکہ دنیا بھر کے پانیوں کا پینا متعذر ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ جب لفظ ماء مطلق بولا اور کوئی نیت نہیں کی تو ادنیٰ فرد مراد ہوگا اور وہ ایک قطرہ ہے لیکن اگر اسم جنس یعنی لفظ ماء سے اسکے کل افراد مراد لیتا ہے اور وہ دنیا بھر کے پانی ہیں تو یہ نیت صحیح ہو جائے گی لیکن اب بالکل حانث نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس نے اسم جنس کو مطلق نہیں چھوڑا لہذا ایک قطرہ پینے سے حانث نہیں ہوگا بلکہ اس وقت تک حانث نہیں ہوگا جب تک دنیا بھر کے پانی نہ پی لے

لیکن دنیا بھر کے پانی پینا متعذر ہے لہذا اب اسکی قسم لغو ہو جائے گی۔

* دوسری مثال یہ ہے اگر کسی آدمی نے اپنی بیوی سے کہا کہ اپنے آپ کو طلاق دے عورت نے جواب میں کہا میں نے طلاق دے دی تو ایک واقع ہوگی لیکن اگر خاوند تین طلاقوں کی نیت کرے تو اس کی نیت صحیح ہوگی اسی طرح اگر دوسرے آدمی سے کہا کہ میری بیوی کو طلاق دے دے تو جب تک کوئی نیت نہ کرے ایک ہی واقع ہوگی اور اگر تینوں کی نیت کرے تو تین واقع ہوں گی البتہ دو کی نیت کرے تو یہ نیت صحیح نہیں ہوگی ہاں دو کی نیت منکوحہ لونڈی کے حق میں صحیح ہوگی۔

س اسکی کیا وجہ ہے کہ تین طلاقوں کی نیت صحیح ہو جاتی ہے اور دو کی صحیح نہیں ہوتی؟

ج لفظ طلاق اسم جنس ہے اور جب جنس بولا جاتا ہے تو عند الاطلاق اسکا ادنیٰ فرد مراد ہوگا ہے جبکہ نیت کرنے سے اسکے کل افراد بھی مراد ہو سکتے ہیں۔ طلاق کا ادنیٰ فرد ایک ہے اور کل افراد تین ہیں لہذا جب لفظ طلاق بولا جائے تو اس سے ادنیٰ فرد مراد ہوگا یا نیت کے ساتھ کل افراد مراد ہوں گے اور وہ تین ہیں جبکہ دو محض عدد ہیں البتہ لونڈی کے حق میں دو طلاقیں طلاق کا کل فرد ہیں۔ لہذا وہاں دو کی نیت صحیح ہوگی کیونکہ کل جنس مراد لی گئی۔

س جب امر تکرار کو نہیں چاہتا تو عبادات میں تکرار کیسے آگیا؟

ج عبادات میں تکرار امر سے ثابت نہیں ہوتا بلکہ یہ تکرار ان اسباب کے تکرار سے آتا ہے جنسے عبادات کا نفس وجوب ثابت ہوتا ہے یعنی عبادت کا وجوب سبب سے ہوتا ہے اور پھر اسکی ادائیگی کا مطالبہ امر کے ذریعے کیا جاتا ہے نفس وجوب امر سے ثابت نہیں ہوتا اور چونکہ اسباب میں تکرار ہوتا ہے لہذا عبادات میں بھی تکرار ہوتا ہے۔

س کوئی ایسی مثال دیں جس سے معلوم ہو کہ امر اس چیز کی ادائیگی طلب کرنے کیلئے آتا ہے جو پہلے ہی واجب ہو چکی ہے؟

ج: جب کوئی شخص کہتا ہے "اَدِ ثَمَنَ الْمَبِیْعِ" یا کہتا ہے "اَدِ نَفَقَۃَ الزَّوْجِ" تو یہاں مبیع کی قیمت اور زوجہ کا نفقہ پہلے سے واجب ہیں اور امر کا صیغہ اسکی ادائیگی کا مطالبہ کرتا ہے۔

مامور بہ کی اقسام

س: مامور بہ کی کتنی اور کون کونسی قسمیں ہیں وضاحت کریں؟

ج: مامور بہ کی دو قسمیں ہیں۔

۱) مطلق عن الوقت ۲) مقید بالوقت

پھر مقید بالوقت کی دو قسمیں ہیں۔

۱) وہ جن کیلئے وقت ظرف بنے ۲) وہ جن کیلئے وقت معیار بنے۔

س: مامور بہ مطلق کا حکم بیان کریں اور مثال دیں؟

ج: مامور بہ مطلق کا حکم یہ ہے کہ اسکی ادائیگی تراخی کے ساتھ واجب ہوتی ہے لیکن یہ شرط ہے کہ عمر یعنی زندگی میں فوت نہ ہو اس ضمن میں امام محمد کا قول ہے جو جامع کبیر میں مذکور ہے کہ اگر کسی آدمی نے نذر مانی کہ وہ ایک مہینہ اعتکاف بیٹھے گا یا وہ ایک مہینہ روزے رکھے گا تو وہ جس مہینے میں چاہے اعتکاف بیٹھ سکتا ہے اور جس مہینے میں چاہے روزے رکھ سکتا ہے۔

زکوٰۃ، صدقہ فطر اور عُشر مطلق عن الوقت میں شامل ہیں لہٰذا ان میں اگر تاخیر ہو جائے تو کوتاہی شمار نہیں ہوگی اور اگر نصاب ہلاک ہو جائے تو واجب ساقط ہو جائے گا

س: کہا گیا ہے کہ اگر حانث کا مال ضائع ہو جائے اور وہ فقیر بن جائے تو روزے کے ساتھ کفارہ ادا کرے اس بات کی وضاحت کریں؟

ج قسم کے کفارے کے سلسلے میں تین چیزیں بیان کی گئیں ہیں۔ دس مساکین کو کھانا کھلانا یا کپڑے پہنانا یا غلام آزاد کرنا۔ اور اگر یہ نہ کر سکے تو تین دنوں کے روزے رکھنا چونکہ قسم کا کفارہ مطلق عن الوقت ہے لہذا اس میں تاخیر جائز ہے اور تاخیر کی وجہ سے اگر مال ہلاک ہو جائے تو قسم کھانے والا مجرم نہیں ہوگا اسلیے اب اس پر مالی کفارہ لازم نہیں ہوگا اور اسے روزے کی صورت میں کفارہ ادا کرنے کی اجازت ہے۔

س وَعَلٰی ھٰذَا لَا یَجُوْزُ قَضَاءُ الصَّلٰوۃِ فِی الْاَوْقَاتِ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس عبارت کا زیر بحث مسئلہ سے کیا تعلق ہے اور اس کا مفہوم کیا ہے؟

ج نماز جب اپنے وقت سے رہ جائے تو اسے بطور قضاء پڑھتے ہیں اور قضاء کیلئے وقت کی قید نہیں لہذا قضاء ایسا امر ہے جو مطلق عن الوقت ہے اور جب یہ نماز واجب ہوئی تھی اس وقت کامل واجب ہوئی تھی لہذا اب قضاء بھی ایسے وقت میں کی جائے جو کامل ہو مکروہ اوقات میں قضاء نماز پڑھنے سے ذمہ داری پوری نہیں ہوگی کیونکہ ان اوقات میں پڑھنا ناقص ادائیگی ہے لہذا اس مسئلے کا یہاں لانا اس مناسبت سے ہے کہ یہ مطلق عن الوقت کی بحث ہے اور قضا نماز بھی مطلق عن الوقت ہے۔

س اسکی کیا وجہ ہے کہ عصر کی نماز سورج کے سرخ ہو جانے کے وقت ادا کی جا سکتی ہے حالانکہ یہ وقت بھی ناقص ہے؟

ج سورج کے سرخ ہونے کے وقت مطلقاً عصر کی نماز جائز نہیں بلکہ اسی دن کی عصر کی نماز پڑھ سکتے ہیں اور اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ نماز جب اس سے پہلے نہیں پڑھی گئی تو وجوب ادا بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہنچ گیا لہذا اب وجوب بھی ناقص ہے اور ادائیگی بھی ناقص ہے جبکہ پچھلی کوئی نماز اس وقت میں نہیں پڑھ سکتے کیونکہ وہ کامل واجب ہوئی تھی اور یہ وقت ناقص ہے اب ادا کرنا ادائے کامل نہیں ہوگا۔

س امرِ مطلق کے سلسلے میں امام کرخی کے اور ہمارے درمیان کیا اختلاف ہے؟

ج امرِ مطلق کے سلسلے میں امام کرخی رحمۃ اللہ کہتے ہیں کہ یہ علی الفور واجب ہوتا ہے اور ہمارے نزدیک امرِ مطلق واجب علی التراخی ہوتا ہے لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ہمارا اور ان کا یہ اختلاف وجوب میں ہے اس بارے میں کہ جلدی کرنا مستحب ہے کوئی اختلاف نہیں ہے۔

س مامور بہ موقت کی کتنی اور کون کونسی قسمیں ہیں؟

ج مامور بہ موقت کی دو قسمیں ہیں۔

ا) جس میں وقت فعل کیلئے ظرف بنتا ہے۔

ب) جسکیلئے وقت معیار بنتا ہے۔

س موقت جسکیلئے وقت ظرف بنتا ہے اسکی تعریف، مثال اور حکم بیان کریں؟

ج موقت جسکے لیے وقت ظرف بنے اسکے کسی حصّہ میں فعل پایا جا سکتا ہے پورا وقت فعل میں مصروف نہیں ہوتا جیسے نماز۔

"حکم"

اس نوع کا حکم یہ ہے کہ اس وقت میں اس فعل کی جنس سے دوسرے فعل کا واجب ہونا اسکے منافی نہیں ہے مثلاً اگر کوئی شخص نذر مانے کہ وہ ظہر کے وقت اتنی رکعات نماز پڑھے گا تو اب نذر لازم ہو جائے گی اگر اس وقت میں ظہر کی نماز کی جگہ کوئی دوسری نماز پڑھے تو بھی جائز ہے اگرچہ نمازِ ظہر کو چھوڑنے سے گناہگار ہوگا اس نوع کا یہ حکم بھی ہے کہ مامور بہ معین نیت کے بغیر ادا نہیں ہو سکتا کیونکہ جب اس وقت اسکے غیر کی ادائیگی جائز ہے تو یہ محض فعل سے متعین نہیں ہوگا۔

س وَاِنْ ضَاقَ الْوَقْتُ الخ عبارت کا کیا مطلب ہے؟

ج مصنف علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ مامور بہ کی ادائیگی کیلئے نیت ضروری ہے کیونکہ اس وقت ضروری جبکہ اسکا غیر بھی ادا کیا جاسکتا ہے تو وہ غیر مزاحم ہوگا اور مزاحمت کی صورت میں نیت ضروری ہوتی ہے چونکہ یہاں یہ اشتباہ پیدا ہوتا ہے کہ جب وقت تنگ ہوجائے اور اس میں صرف مامور بہ ادا ہوسکتا ہو تو اب مزاحم نہ ہونے کی صورت میں نیت کی ضرورت باقی نہیں رہتی لہٰذا مصنف نے اس خیال کو دور کرنے کیلئے یہ فرمایا کہ چونکہ اس تمام وقت میں مامور بہ کو چھوڑ کر دوسری عبادت کی جاسکتی ہے لہٰذا جب وقت تنگ ہوگا تو اس وقت بھی یہی صورتِ حال ہوگی یعنی وقتی نماز کو چھوڑ کر دوسری ادا کی جاسکتی ہے لہٰذا وقت کی تنگی کی صورت میں بھی مزاحمت موجود ہے اور مزاحمت کی صورت میں نیت ضروری ہوتی ہے بنابریں اگرچہ وقت تنگ ہوجائے پھر بھی نیت ضروری ہوگی۔

س مامور بہ موقت جسکیلئے وقت معیار بنتا ہے کی تعریف، مثال اور حکم بیان کریں؟

ج اسکی تعریف یہ ہے کہ وہ مامور بہ تمام وقت کو گھیر لیتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ وقت کی کمی اور زیادتی سے مامور بہ چھوٹا اور بڑا ہوتا رہتا ہے جیسے روزہ کہ یہ سردیوں کے دنوں میں چھوٹا ہوتا ہے اور گرمیوں میں بڑا ہوتا ہے۔

"حکم"

اسکا حکم یہ ہے کہ اس وقت میں اسی جنس کی عبادت اسکے علاوہ جائز نہیں یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی صحیح مقیم آدمی رمضان کے دنوں میں کسی اور واجب روزہ کی ادائیگی کرنا چاہے تو وہ ادا نہیں ہوگا بلکہ رمضان کا ہی روزہ ادا ہوگا اور یہاں رمضان کے روزے کا تعین بھی ضروری نہیں کیونکہ تعین کی ضرورت مزاحم کی صورت میں ہوتی ہے اور یہاں کوئی مزاحم نہیں ہے اسلیے کہ رمضان میں کوئی دوسرا روزہ رکھنا جائز ہی نہیں۔

س اسکا مطلب یہ ہوا کہ رمضان کے روزے کیلئے نیت ضروری نہیں کیا یہ خیال درست ہے؟

ج یہ خیال صحیح نہیں ہے کیونکہ اصل نیت ساقط ہونے سے خود روزہ ہی متعین نہیں ہوتا اسلیے کہ کھانے پینے وغیرہ سے رُک جانا یعنی امساک شرعی طور پر اسی وقت روزہ کہلائے گا جب نیت کے ساتھ پایا جائے گا لہٰذا روزے کی نیت ضروری ہے اگرچہ رمضان کا تعین ضروری نہیں۔

س اگر کسی مامور بہ کیلئے شریعت نے وقت مقرر نہ کیا ہو تو کیا بندہ اپنی طرف سے تعیین وقت کا اختیار رکھتا ہے؟

ج اگر شریعت نے کسی عبادت کیلئے وقت مقرر نہ کیا تو بندے کو مقرر کرنے کا اختیار نہیں ہے مثلاً قضائے رمضان کیلئے بندہ کچھ دن متعین کر لیتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ ان دنوں میں قضاءِ رمضان کے سوا کوئی روزہ نہیں ہو سکتا تو یہ تعیین صحیح نہیں ہوگا اور اسکیلے جائز ہے کہ ان دنوں میں کفارے کے روزے رکھے۔ نفلی روزے رکھے۔ رمضان کے روزوں کی قضاء کرے یا کوئی اور روزہ رکھے اور چونکہ یہاں وقت متعین نہیں ہوتا لہٰذا اس صورت میں نیت بھی ضروری ہوگی کیونکہ ان دنوں میں جیسے قضاء کے روزے رکھ سکتا ہے ایسے ہی کفارے وغیرہ کے روزے بھی رکھے جا سکتے ہیں لہٰذا نیت کے بغیر کسی قسم کا تعین نہیں ہوگا۔

س کیا بندے کو اپنے آپ پر کوئی چیز واجب کرنے کا حق ہے یا نہیں؟

ج بندے کو یہ حق ہے کہ وہ اپنے آپ پر کوئی عمل لازم کر دے موقت ہو یا غیر موقت البتہ وہ حکم شرع میں تبدیلی کا حق نہیں رکھتا مثلاً ایک آدمی نے نذر مانی کہ وہ فلاں دن روزہ رکھے گا دن کا تعین کیا تو اس پر یہ روزہ لازم ہو جائے گا لیکن اگر اُسی دن وہ رمضان کی قضا یا قسم کا روزہ رکھتا ہے تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ شریعت نے قضاءِ رمضان کو مطلق رکھا ہے تو اب بندے کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ اُسے اس دن کے علاوہ کے ساتھ مقید کر دے۔

س اسکا مطلب یہ ہوا کہ اگر اس معین دن میں جسے اس نے نذر کے روزے کیلئے مقرر کیا ہے کوئی دوسرا روزہ رکھتا ہے تو جائز ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اگر اس دن نفلی روزہ رکھے تو وہ نذر کا روزہ ہی ہوگا اسکی کیا وجہ ہے؟

ج اسکی وجہ یہ ہے کہ نفلی روزہ بندے کا اپنا حق ہے اور اسے یہ اختیار ہے کہ اس روزے کو چھوڑ دے یا ثابت رکھے لہٰذا جائز ہے کہ اپنے حق میں منذور روزے کو ترجیح دے لیکن اُس روزے پر جو شریعت کا حق ہے مثلاً قضاء اور کفّارہ اپنے واجب کیے ہوئے کو ترجیح نہیں دے سکتا۔

س کیا اسکی کوئی مثال ہے کہ بندہ اپنے حق میں ترجیح دے سکتا ہے شریعت کے حق میں ترجیح نہیں دے سکتا؟

ج جی ہاں۔ ہمارے مشائخ فرماتے ہیں کہ اگر میاں بیوی خُلع میں یہ شرط رکھیں کہ عورت کیلئے نہ نفقہ ہوگا اور نہ سکنیٰ۔ تو نفقہ ساقط ہو جائے گا سکنیٰ ساقط نہیں ہوگا حتیٰ کہ خاوند اسے عدت والے گھر سے نہیں نکال سکتا کیونکہ عدت والے گھر میں عورت کو سکونت دینا یہ حقِ شرع ہے اور بندہ اسکو ساقط کرنے کا اختیار نہیں رکھتا جب کہ نفقہ خالص عورت کا حق ہے شرعی حق نہیں ہے۔

حُسنِ مامور بہ

س کسی بات کا امر مامور بہ کے حُسن پر دلالت ہے یا نہیں؟

ج اگر آمر صاحب حکمت ہو تو امر مامور بہ کے حُسن پر دلالت کرتا ہے کیونکہ امر اس بات کے بیان کیلئے ہوتا ہے کہ مامور بہ ان چیزوں میں سے ہے جن کو وجود میں آنا چاہیے لہٰذا امر

اس کے حُسن کا مقتضی تھا۔

س حُسن کے اعتبار سے مامور بہ کی کتنی اور کون کونسی قسمیں ہیں؟ بیان کریں؟

ج حسن کے اعتبار سے مامور بہ کی دو قسمیں ہیں۔

1) حسن بنفسہٖ 2) حسن بغیرہٖ۔

"حسن بنفسہٖ"

حسن بنفسہ وہ ہوتا ہے جس میں حُسن، ذات کے اعتبار سے پایا جاتا ہے غیر کی وجہ سے نہیں اسکی مثال اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا انعام دینے یعنی نعمتیں دینے والے کا شکر ادا کرنا سچ بولنا عدل کرنا، نماز پڑھنا اور اسکے علاوہ وہ عبادات جو خالص ہیں۔

"حکم"

اسکا حکم یہ ہے کہ جب بندے پر اسکی ادائیگی واجب ہو جائے تو یہ ادائیگی کے بغیر ساقط نہیں ہوتا لیکن یہ اس صورت میں ہے جب وہ سقوط کا احتمال نہ رکھتا ہو۔

مثلاً۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا لیکن وہ مامور بہ جو سقوط کا احتمال رکھتا ہے وہ ادائیگی سے ساقط ہوگا یا آمر کے ساقط کرنے سے ساقط ہوگا اور اسی بنیاد پر ہم کہتے ہیں کہ جب نماز واجب ہوگئی تو اول وقت میں ادا کرنے سے واجب ساقط ہوگا یا آخر وقت میں جنون، حیض یا نفاس لاحق ہونے سے کیونکہ شریعت نے ان عوارض کی بنیاد پر مکلف سے نماز کو ساقط کیا ہے لیکن وقت کی تنگی اور پانی یا لباس وغیرہ کے نہ ہونے سے واجب ساقط نہیں ہوگا۔

"حسن لغیرہٖ"

حسن لغیرہ وہ ہوتا ہے جسکا حسن غیر کیوجہ سے ہو۔ اسکی مثال نماز جمعہ کے لیے سعی کرنا اور نماز کیلئے وضو کرنا ہے کیوں کہ ان دونوں چیزوں میں ذاتی طور پر حسن نہیں پایا جاتا۔ سعی کا حسن اسلیے ہے کہ وہ جمعہ کی ادائیگی تک پہنچانے والی ہے اور وضو کا حسن اسلیے ہے کہ وہ نماز کیلئے

مفتاح کی حیثیت رکھتا ہے۔

حکم

اس نوع کا حکم یہ ہے کہ جب وہ واسطہ ساقط ہو جائے جسکی وجہ سے اس میں حُسن آیا ہے تو مامور بہ بھی ساقط ہو جاتا ہے۔

مثلاً جس آدمی پر جمعہ فرض نہیں اس پر سعی بھی فرض نہیں اور جسکے ذمہ نماز نہیں اس پر وضو بھی فرض نہیں اور چونکہ اس میں حُسن غیر کی وجہ سے آتا ہے لہٰذا جب تک اس غیر کی تکمیل نہ ہو اس مامور بہ پر عمل کرنا ضروری ہوتا ہے۔ مثلاً ایک آدمی نے جمعہ کیلئے سعی کی پھر اسکو جمعہ کی نماز قائم ہونے سے پہلے زبردستی اٹھا کر دوسری جگہ لے جایا گیا تو سعی دوبارہ واجب ہوگی لیکن مقصود سعی کے بغیر حاصل ہو جائے تو پہلی بار بھی سعی واجب نہیں ہوتی۔ مثلاً ایک آدمی جامع مسجد میں اعتکاف بیٹھا ہوا ہے تو اس پر سعی فرض نہیں ہوگی اسی ضمن میں ایک مثال یہ ہے کہ اگر ایک آدمی نے وضو کر لیا لیکن نماز کی ادائیگی سے پہلے بے وضو ہو گیا تو اس پر دوبارہ وضو کرنا واجب ہے جبکہ وہ شخص جو وجوبِ نماز کے وقت باوضو ہو اس پر مطلقاً وضو فرض نہیں ہے مامور بہ جس میں حُسن غیر کی وجہ سے آتا ہے اس میں حدود، قصاص اور جہاد بھی شامل ہیں کیونکہ حد اسلیے حسن ہے کہ اسکے واسطے سے مجرم کو جُرم پر تنبیہ کی جاتی ہے اور جہاد اسلیے حسن ہے کہ وہ کفار کی شرارتوں کو دور کرنے اور کلمۂ حق بلند کرنے کا سبب ہے۔ چنانچہ جب یہ واسطہ فرض نہ کیا جائے تو مامور بہ بھی باقی نہیں رہے گا۔ مثلاً اگر جنایت نہ ہو تو حد واجب نہیں ہوگی اور اگر ایسا کفر نہ ہو جو لڑائی کیطرف لے جاتا ہو تو جہاد واجب نہیں ہوگا۔

"اداء و قضاء"

س ادائیگی کے اعتبار سے مامور بہ کی کتنی اور کون کونسی قسمیں ہیں؟

ج دو قسمیں ہیں:- 1) اداء۔ 2) قضاء۔

س اداء اور قضاء دونوں کی تعریف کیجیے؟

ج عینِ واجب کو اسکے مستحق کے حوالے کرنا اداء کہلاتا ہے۔
مثل واجب کو اسکے مستحق کے حوالے کرنا قضاء ہے۔

س اداء کی کتنی قسمیں ہیں تعداد اور نام بتائیں؟

ج اداءِ کامل کی دو قسمیں ہیں۔ 1) اداءِ کامل۔ 2) اداءِ قاصر۔

س اداءِ کامل کی تعریف اور اسکا حکم بیان کیجیے؟

ج اداءِ کامل وہ ہے کہ مامور بہ کو بعینہٖ تمام حقوق کے ساتھ ادا کیا جائے۔
مثال:- نماز کا اپنے وقت میں جماعت کیساتھ ادا کرنا۔ باوضو طواف کرنا۔ مبیع صحیح سلامت مشتری کے حوالے کرنا جیسے عقد کا تقاضا ہے۔ غاصب کا مغصوبہ چیز کو اسی حالت میں جیسے غصب کیا ہے مالک کے حوالے کرنا۔

"حکم"

اسکا حکم یہ ہے کہ جب اس انداز میں ادائیگی ہوجائے تو ذمہ داری پوری ہوجاتی ہے۔

س اگر غاصب مغصوب مال مالک پر بیچ دیتا ہے یا اسکے پاس رہن رکھتا ہے یا اسے ہبہ کرتا ہے اور اسکے سپرد بھی کر دیتا ہے تو کیا یہ اداءِ کامل ہوجائے گی؟

ج ان صورتوں میں چونکہ غاصب نے مالک کا حق کامل طور پر ادا کر دیا ہے لہذا یہ اداءِ کامل ہوگی اور جو الفاظ اس نے بیچ۔ رہن۔ اور ہبہ وغیرہ کہے ہیں وہ لغو ہوجائیں گے کیونکہ یہ چیز اُسی کی تھی جسکے پاس پہنچ چکی ہے۔

اسی ضمن میں ایک مثال یہ ہے کہ اگر کسی آدمی نے کھانا غصب کیا یا کپڑا غصب کیا پھر وہ مالک کو کھلا دیتا ہے یا کپڑا اُسے پہنا دیتا اور اسے یہ معلوم نہیں کہ یہی شخص ان چیزوں کا مالک ہے تو اس صورت میں بھی ادائیگی ہو جائے گی کیونکہ مالک تک اسکا حق پہنچ چکا ہے۔

اسی طرح بیع فاسد میں جب مبیع مشتری کے پاس آگیا پھر اس نے وہ مبیع بائع کو اُدھار دیا یا اس کے پاس رہن رکھایا اُسکو اُجرت پر دیا یا اس پر بیع دیا یا اُسے ہبہ کیا اور اسکے حوالے بھی کر دیا تو یہ اس بائع کے حق کی ادائیگی ہوگی اور بیع وغیرہ کے الفاظ جو اس نے بولے ہیں۔ لغو ہو جائیں گے کیونکہ بیع فاسد کی صورت میں مشتری کی ذمہ داری تھی کہ مبیع بائع کے حوالے کرتا اور وہ اس نے بائع کے حوالے کر دی۔

س اداء قاصر کی تعریف، حکم اور مثال لکھیں؟

ج عین واجب کو مستحق کے حوالے اس صورت میں کرنا کہ اسکی صفت میں نقصان ہو مثلاً تعدیلِ ارکان کے بغیر نماز پڑھنا بغیر وضو کے طواف کرنا اور مبیع کو اس صورت میں لوٹانا کہ اس پر قرض ہو یا اس نے کوئی جرم کیا ہو یعنی جب مبیع غلام یا لونڈی ہو اور اس نے مشتری کے پاس آکر قرض لیا یا کوئی جرم کیا تو اب یہ اس صورت میں بائع کیطرف واپس جا رہا ہے کہ اس میں ایک نقصان پیدا ہو گیا اسی طرح مغصوب غلام مالک کیطرف اس طرح لوٹانا کہ اس نے کسی کو قتل کیا اور وہ اب مباح الدم ہے یا اس نے قرض لیا ہے یا غاصب کے قبضے میں رہتے ہوئے کسی سبب سے اس پر جنابت آئی ہے اسی طرح کھرے سکوں کی جگہ کھوٹے سکے واپس کرنا جبکہ قرض خواہ کو اس کا علم نہ ہو یہ تمام اداء قاصر کی صورتیں ہیں۔

حکم

ادائے قاصر کا حکم یہ ہے کہ اگر اس کی مثل کے ساتھ جبر نقصان ہو سکتا ہے تو نقصان پورا کیا جائے گا ورنہ نقصان کا حکم ساقط ہو جائے گا البتہ گناہ باقی رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ جب نماز میں تعدیلِ ارکان کو چھوڑ دیا تو اسکا ازالہ مثل کے ساتھ ممکن نہیں ہے کیونکہ بندے کے پاس اسکی مثل عقلاً اور شرعاً نہیں ہے لہٰذا یہ ساقط ہو جائے گا۔

س ماموربہ کو ادا کی صورت میں بجالانا اصل ہے یا قضاء کی صورت میں؟

ج ماموربہ کو ادا کی صورت میں بجالانا اصل ہے ادائے کامل ہو یا قاصر۔ قضاء کیطرف اس وقت رجوع ہوتا ہے جب ادا متعذر ہو کیونکہ قضاء خلف ہے اور خلف کا اعتبار اس وقت ہوتا ہے جب اصل پر عمل کرنا متعذر ہو۔ یہی وجہ ہے کہ امانت۔ وکالت اور غصب میں مال متعین ہو جاتا ہے اور اگر وہ شخص جسکے پاس امانت رکھی گئی ہے یا وکیل اور غاصب اصل کو روکنا اور اسکی مثل دینا چاہیں تو انہیں اس بات کا حق نہیں ہے کیونکہ اصل مال لوٹانا ادا ہے اور مثل دینا قضاء ہے اور کسی عذر کے بغیر وہ قضا کیطرف نہیں جا سکتے اسی طرح اگر کسی آدمی نے کوئی چیز بیچی اور اُسے مشتری کے حوالے بھی کر دیا پھر اس میں عیب ظاہر ہو گیا تو مشتری کو وہ چیز قبول کرنے اور چھوڑنے کا اختیار ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ چونکہ اصل چیز موجود ہے لہٰذا اسکو لینا یہ ادائیگی شمار ہوتی ہے چونکہ ادائیگی اصل ہے اسلیے وہی چیز لینا پڑے گی یا بیع کو ختم کرنا پڑے کیونکہ قضاء یعنی مثل کیطرف نہیں جا سکتے۔

س کیا امام شافعی کے نزدیک بھی یہی ضابطہ ہے کہ ادائے اصل ہے اس سلسلے میں انہوں نے کوئی مثال پیش کی ہے تو بتائیں؟

ج امام شافعی کے نزدیک بھی ادا ہی اصل ہے چنانچہ انکے نزدیک اگر غاصب کے پاس مغصوب چیز میں بہت زیادہ تبدیلی بھی واقع ہو جائے تو پھر بھی عین مغصوبہ کو ہی لوٹانا ہوگا اور نقصان کے باعث ضمان ہوگی اسی طرح اگر کسی آدمی نے گندم چوری کی پھر اسے

پیسا یا کوئی شہتیر غصب کیا اور اس پر مکان بنا دیا یا بکری غصب کر کے اسے ذبح کیا اسے بھونا یا انگور غصب کر کے اُن کا رس نکالا یا گندم غصب کر کے اسے زمین میں بویا اور کھیتی بھی اُگ آئی تو ان تمام صورتوں میں غصب کی ہوئی چیزیں امام شافعی کے نزدیک مالک کی ہوں گی کیونکہ ادا کا تقاضا یہی ہے کہ اصل چیز مالک کو واپس کر دی جائے۔

س کیا وجہ ہے کہ ان تمام صورتوں میں احناف کے نزدیک غاصب پر لازم ہے کہ ان چیزوں کی قیمت مالک کو ادا کرے حالانکہ قاعدے کے مطابق یہی چیزیں واپس کرنا چاہیں جیسے امام شافعی فرماتے ہیں؟

ج احناف کے نزدیک بھی وہ یہی فائدہ ہے لیکن ان صورتوں میں اصل چیز کو مالک کی طرف لوٹانا متعذر ہے اسلیے کہ تبدیلی کیوجہ سے اصل چیز باقی نہیں رہی لہٰذا مغصوب کے بدل جانے سے اسکا حکم بھی بدل گیا اور اب یہاں ادا کی بجائے قضاء پر عمل ہوگا۔

س اگر چاندی کا ٹکڑا غصب کر کے درہم بنا لیے جائیں یا سونے کا ٹکڑا غصب کر کے دینار بنا لیے جائیں بکری غصب کر کے اسے ذبح کر دیا جائے۔ روئی غصب کر کے اُسے کاتا جائے یا دھاگہ غصب کر کے اسے بُن لیا جائے تو احناف کے نزدیک کیا حکم ہوگا؟

ج ان صورتوں میں احناف کے نزدیک مالک کا حق ان چیزوں میں باقی رہے گا یہ ظاہر روایت کے مطابق ہے پچھلی صورتوں اور ان صورتوں میں فرق یہ ہے کہ وہاں عین مغصوب بالکل بدل گئی تھی اور اصل کی ادائیگی مشکل ہو گئی تھی لیکن یہاں ایسی تبدیلی واقع نہیں ہوئی جسکی وجہ سے مثل کیطرف جانا پڑے کیونکہ اس بدلی

ہوئی صورت میں بھی ان چیزوں کا اصل نام باقی ہے۔

"نوٹ"

کیونکہ اصل چیز ادا ہے اور قضا کیطرف اس وقت رجوع کیا جاتا ہے جب ادا مشکل ہو اسلیے اگر کسی وقت اسکی ادائیگی ممکن ہو جائے تو اصل چیز ہی مالک کیطرف لوٹانا ہوگی۔
مثلاً کسی نے غلام غصب کیا اور وہ گم ہو گیا پھر غاصب نے اسکی قیمت دے دی۔ لیکن کچھ عرصہ بعد غلام مل گیا تو اب غاصب پر لازم ہے کہ وہ غلام کو اسکے مالک کے حوالے کرے اور مالک پر واجب ہے کہ وہ اسکی قیمت جو اس نے لی تھی واپس لوٹا دے۔

س قضاء کی کتنی قسمیں ہیں تعداد اور نام بتائیں؟

ج قضاء کی دو قسمیں ہیں 1) کامل 2) قاصر

س قضائے کامل کسے کہتے ہیں اور قضائے قاصر کیا ہے؟ دونوں کی مثالیں بھی دیں؟

"قضائے کامل"

قضائے کامل ایسی چیز کا مستحق کو سونپنا ہے جو صورتاً اور معنیً واجب کی مثل ہو۔
مثلاً۔ کسی آدمی نے گندم کا ایک قفیز غصب کیا پھر اسے ہلاک کر دیا تو ایک قفیز گندم کا ضامن ہوگا اور اب جو کچھ اس نے مالک کے سپرد کیا ہے یہ اس غصب شدہ کی مثل ہے صورت کے اعتبار سے بھی اور معنیٰ کے اعتبار سے بھی تمام مثلی چیزوں میں یہی حکم ہے مثلی چیزوں سے مراد کیلی اور وزنی چیزیں ہیں اور اگر عددی چیزیں ہوں لیکن وہ آپس میں تقریباً تقریباً برابر ہوں تو اُن کا بھی یہی حکم ہے

"قضائے قاصر"

قضائے قاصر وہ ہے جو واجب کی صورت کے اعتبار سے مثل نہ ہو لیکن معنیٰ کے اعتبار سے

اسکی مثل ہو۔ مثلاً: ایک آدمی نے بکری غصب کی پھر وہ ہلاک ہوئی تو قیمت کا ضامن ہوگا اور یہ قیمت معنیٰ کے اعتبار سے بکری کی مثل ہے صورت کے اعتبار سے نہیں لہٰذا یہ قضاءِ قاصر ہے۔

س قضا میں اصل کیا ہے؟

ج ادا کی طرح یہاں بھی اصل قضاءِ کامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام اعظم فرماتے ہیں جب کسی آدمی نے مثلی چیز غصب کی اور وہ اسکے ہاتھوں ضائع ہوگئی اور بازار سے بھی ناپید ہوگئی تو اسکی قیمت کا ضامن ہوگا اور یہ قیمت جھگڑے کے دن سے معتبر ہوگی کیونکہ مثلِ کامل کے سونپنے سے اسکا عاجز ہونا جھگڑے کے وقت ظاہر ہوتا ہے جھگڑے سے پہلے عجز ظاہر نہیں ہوگا کیونکہ مثل کا حصول ہر طرح تصوّر کیا جا سکتا ہے۔

س اگر کسی چیز کی نہ صورتاً مثل ہو نہ معناً تو پھر کیا ہوگا؟

ج جس چیز کی نہ صورتاً مثل ہو اور نہ معناً وہاں قضا کا مثل کے ساتھ واجب کرنا چونکہ ممکن نہیں ہے اسلیے وہ ضامن نہیں ہوگا یہ احناف کا مسلک ہے امام شافعی کے نزدیک اس پر ضمان آئے گا اسی ضابطے کی بنیاد پر احناف کہتے ہیں کہ اگر منافع ضائع ہوجائیں تو انکا ضمان نہیں ہوگا کیونکہ یہاں نہ تو عین کے ساتھ ضمان ممکن ہے اور نہ مثل کے ساتھ کیونکہ کوئی عین چیز منفعت کی مثل نہیں ہوسکتی نہ صورتاً نہ معناً جیسا کہ ایک آدمی نے غلام غصب کیا اور ایک مہینہ اس سے خدمت لی یا ایک مکان غصب کیا اور اس میں ایک مہینہ ٹھہرا پھر مغصوب چیز مالک کو لوٹادی تو اس پر منافع کی ضمان نہیں ہوگی البتہ وہ گناہگار ہوگا اور اسکی سزا دارِ آخرت کیطرف منتقل ہوجائے گی۔

س اس ضمن میں کوئی اور مثال پیش کیجیے؟

ج اس صورت میں ایک مثال یہ ہے کہ ایک آدمی کے خلاف گواہوں نے گواہی دی

کہ اس نے اپنی بیوی کو دخول کے بعد طلاق دی ہے قاضی نے مہر کی ادائیگی اور اس کے درمیان تفریق کا فیصلہ دے دیا اسکے بعد گواہوں نے اپنی گواہی سے رجوع کر لیا تو اس میں نقصان کی کوئی مثل نہیں ہے لہذا گواہوں پر کوئی ضمان نہیں ہوگی۔ اسی طرح ایک مثال یہ ہے کہ کسی آدمی نے دوسرے کی بیوی سے وطی کی تو اب وہ عورت کے خاوند کیلئے کسی چیز کا ضامن نہیں ہوگا کیونکہ یہاں کوئی مثلِ صوری یا معنوی نہیں ہے

س کیا کوئی ایسی مثال بھی ہے کہ صوری اور معنوی مثل نہ ہونے کی صورت میں شریعت نے کوئی مثل مقرر کر دی ہو یا ہم دیکھتے ہیں کہ شیخ فانی روزے کی جگہ فدیہ دیتا ہے یا قتلِ خطا میں دیت واجب ہوتی ہے حالانکہ یہ دونوں چیزیں اصل کی مثل نہیں ہیں صورتاً بھی اور معناً بھی فدیہ روزے کی مثل نہیں ہے اور دیت نفس کی مثل نہیں؟

ج بعض اوقات مثلِ صوری یا معنوی نہ ہونے کی صورت میں خود شریعت ایک مثل مقرر کر دیتی ہے اسے مثلِ شرعی کہتے ہیں لہذا وہاں مثلِ شرعی کے ساتھ قضا واجب ہو جاتی ہے جیسے شیخ فانی جو روزہ رکھنے پر قادر نہیں وہ فدیہ دے دے اور جس نے کسی کو غلطی سے قتل کیا وہ دیت ادا کرے حالانکہ روزے اور فدیے میں کوئی مشابہت نہیں اور اسی طرح انسانی جان اور دیت میں کوئی مشابہت نہیں ہے۔